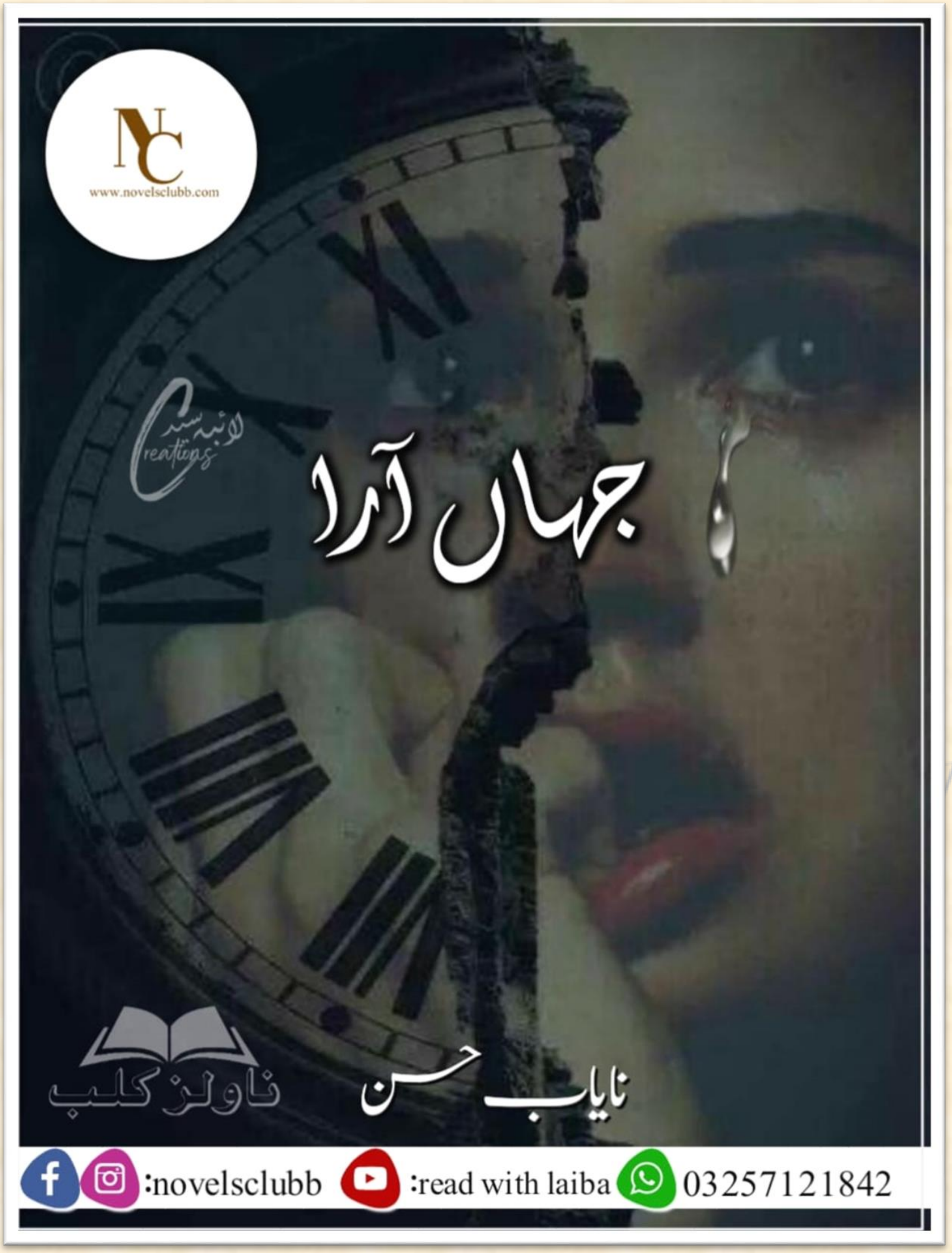
www.novelsclubb.com
لائبہ سند Creations
جہاں آرا
ناولز کلب
نایاب حسن
:novelsclubb
:read with laiba
03257121842

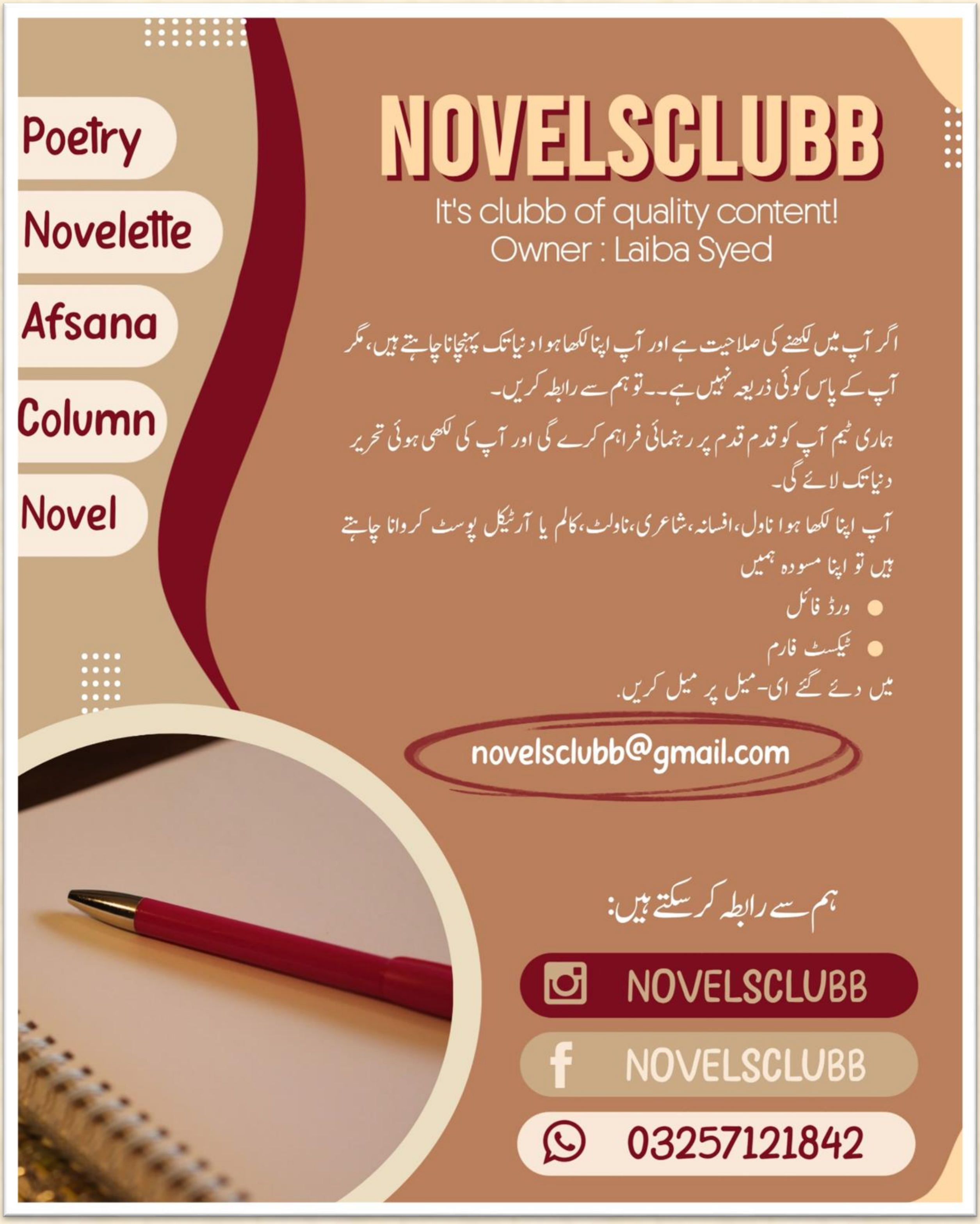

Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel

NOVELSCLUBB

It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔ تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں

- ورڈ فائل
- ٹیکسٹ فارم

میں دئے گئے ای-میل پر میل کریں.

novelsclubb@gmail.com

ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:

NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

جہاں آرا

از قلم

نایاب حسن

انتساب

میری ماں کے نام

حصہ اول

مخفی دروازہ اور خوشبو

دوپہر کا وقت اور کانوں میں پڑھتی دھاڑے مارتے روتے بوڑھوں، بزرگوں، جوانوں اور بچوں کی آوازیں۔ منظر میں تبدیلی ممکن ہی نا تھی کیونکہ تاحدِ نگاہ صرف یہ ایک ہی منظر تھا۔ دائیں جانب رخ کرو یا بائیں جانب ہر اک جگہ ایک سا منظر۔ خون جو بہت سی جگھوں پر جم چکا تھا اور بہت سی جگھوں پر بہہ رہا تھا۔ آگ تھی کہ جگہ جگہ لگی تھی۔ کچھ لوگ آگ میں جھلس چکے تھے کہ پہچانے نا جا رہے تھے، کچھ کہ بازو راکھ ہو چکے تھے تو کچھ کی ٹانگیں۔ ہر روتی آنکھ سے خون کے آنسوں جاری تھے۔ تیز گرم چلتی ہوئی لو جو زندہ جسموں کو بھی جھلسانے کی طاقت رکھتی تھی۔ یہاں پہلی بار یہ منظر دیکھا گیا تھا جس میں اتنی اموات ایک ساتھ ہوئیں، اتنے لوگ مارے گئے، بچے یتیم، عورتیں بیوہ، بوڑھے بے سہارا ہو گئے۔ لاشیں ہزاروں حصوں میں تھیں تو کوئی پہچانی نا جا رہی تھی۔ کوئی سر ہاتھ میں اٹھائے چیخ رہا تھا تو کسی نے دھڑ کو پکڑ رکھا تھا۔ اب شاید وہ لوگ تھک رہے تھے۔ رو رو کر ان کے آنسوں خشک ہوتے

Club of Quality Content

چلے جا رہے تھے، دھاڑے مارتی جانوں میں اب پیاس زور مارنے لگی تھی۔ چیختے چلاتے گلے بند ہونے لگے تھے۔ ستم اتنا تھا کہ پینے کو پانی میسر نا تھا۔ کیسے ہوتا ہر اور خون رس رہا تھا۔ سامنے محل کی بلند دیواریں ڈھادی گئی تھی۔ محل کے داخلی دروازے کے نیچے لاشیں دبی پڑھی تھیں۔ مہارت سے بنائے گئے قالین بڑے پتھروں کے نیچے دب چکے تھے۔ محل کے سات میناروں میں سے صرف ایک مینار بچا تھا جو سلطان مراد کے نام کا تھا۔ طے ہوا کہ عصر کے بعد سلطان کا سر قلم کر کے ان کے نام کا مینار بھی ڈھادیا جائے گا۔ یعنی مراد اللہ خان کی عظیم سلطنت کو ڈھادیا جائے گا۔ اتنے میں نظر پہلو بدلتی ہوئی کسی اور کی ختم ہوئی زندگی کو دیکھنے مڑتی ہے۔ گھٹنوں کے بل بیٹھا وہ شخص جس کی آنکھوں سے آنسوں زار و قطار جاری تھے، اس کی قیمتی پوشاک جواب جگہ جگہ سے اکھڑ چکی تھی۔ کہیں سے کوئی لگا نیزہ تھا تو کہیں تیر، چاقو کے گہرے گھاؤ۔ گود میں رکھا اک عورت کا سر جس کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں۔ وہ صرف سر تھا۔ او خدایا وہ صرف سر تھا۔ وہ گاہے بگاہے اس کا چہرہ چھو رہا تھا۔ عورت کی زمین کو چھوتی لمبی زلفیں اب دھول سے بھر چکی تھیں۔ اس شخص نے اپنے زخمی ہاتھ کے ساتھ ان زلفوں کو اٹھایا اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ زلفیں ہاتھ میں لے کر اس نے زلفوں پہ لگی گرد کو کپکپاتے ہاتھ سے صاف کیا۔ اس نے اپنی گردن کو دائیں جانب موڑا وہاں اسکا جنگی

لباس پڑھا تھا جس کو زیب تن کر کے وہ جنگ کے میدان میں اترا تھا۔ بادشاہوں کا بادشاہ سلطان مراد اللہ خان جو جنگیں فاتح کرنے میں مہارت رکھتا تھا آج سب ہارا بیٹھا تھا۔ اس کے نام کا آخری ستون گرانے کا وقت ہوا جا رہا تھا۔ ہاتھوں کے ساتھ ساتھ اس کے دل نے کپکپانا شروع کیا تھا۔ آنکھیں کچھ فاصلے پہ موجود دھاڑے مارتے لوگوں کو دیکھ کر خود کو کوسنے لگی تھیں.

”ہم معافی چاہتے ہیں، ہم آپ کو اور اپنے لوگوں کو نہیں بچا سکے“

گود میں رکھے وجود کو چھوتے اس نے معافی طلب آواز میں کہا۔

اس آواز میں کل جہاں کا غم تھا، اتنا درد کہ دیکھتی آنکھیں اس کو محسوس کر سکتی تھیں۔

ناولز کلب
Club of Quality Content!

اچانک منظر بدلا تھا۔ آنکھوں کے آگے چھائی اداسیوں میں یہاں خوشیوں کی کھلکھلاتی کرن تھی، یہ شہر ”سنجرستان“ تھا۔ اس میں ہر سو مراد اللہ خان کی عظیم الشان سلطنت کی گواہی، دیتے بڑے آبشار، مسکراتے لوگ، خوشیاں بکھیرتی ہوائیں، خوبصورت طرز پہ بنے گھر مکمل جہان اور اس جہان سے گردن اٹھا کر تکتی نگاہوں کو نظر آتا محل۔ ”سات مینار محل“۔

اس محل کے سات مینار تھے، باہر سے دیکھنے پر دیکھنے والوں کو بلند و بالا دروازہ دکھائی دیتا جس کے ساتھ سپاہی کھڑے تھے۔ محل کے اندر جھانکو تو اتنا وسیع باغ جیسے محل کی تمام تر

خوبصورتی اس باغ کی شاندار ساخت اور دلکش ماحول میں پوشیدہ ہے۔ یہ باغ صرف ایک سبز جگہ نہیں بلکہ ایک ایسا جادوئی جہان ہے جو شاہی زندگی کی خوبصورتی کو اجاگر کرتا ہے۔ یہاں پھولوں کی خوشبوؤں کا جادو بکھرتا ہے، شاخوں پر پرندے چہچہاتے، اور پانی کے فوارے ایک دلکش موسیقی سنا کر روح کو تسکین دیتے ہیں۔ اس میں لگے ہر رنگ کے پھول اس کی خوبصورتی میں چار چاند لگانے کا کام کرتے ہیں۔ محل کے باغ میں چلنے کا احساس ہی ایک الگ لذت ہے جس کو پانے کے لیے شہر سنجرستان کے لوگ ساری زندگی انتظار کرتے ہیں۔ باغ ، سے آگے نکلو تو کیا ہی عالیشان طرز پر تعمیر کردہ مضبوط ہوادار دیوان عام، میدان شطرنج کتاب خانہ، دیوانِ خاص، اکھاڑے، مشق کے میدان، ہوادار راہداریاں اور یہ بڑی بڑی خواب گاہیں۔ تمام محل میں شیشے کا حسین کام اور زمین میں لگے قیمتی، نفیس سنگ مرمر۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

محل کی اندرونی اور باہری دنیا کے خوشحال ہونے کا راز اس وقت دیوانِ خاص میں اپنے تخت پہ بڑی شان و شوکت سے براجمان تھا۔

اتنا حسین بنا دیوانِ خاص کہ دروازے میں کھڑے ہو کر سامنے کی اور دیکھوں تو چند زینے چڑھ کر اونچائی پہ رکھا گیا بادشاہ کا تخت جس پر براجمان سلطان مراد اللہ خان غزنوی۔ چاروں

اطراف میں نظر گھماو تو ستونوں کے بیچ و بیچ لگے جالی دار پردے جن کے پیچھے کو ہو کر ہاتھ باندھے کھڑی بہت سی داسیاں۔

پردوں کے آگے چاروں اطراف میں رکھے گئے تخت جن پر اس وقت وزیر اعلیٰ سمیت اور بھی بہت سارے بڑے عہد دار بیٹھے تھے۔ لال رنگ کی بڑی سی قالین جو دیوانِ خاص کے ”بیچ و بیچ بچھائی گئی تھی سلطان کے تخت تک جا رہی تھی۔

“چاندی کے سکوں میں تصویر کا بدلاو اہم نہیں ہے وزیر اعلی“

اس وقت ہمارے لیے ہمارے لوگوں کی رائے زیادہ اہم ہے۔ جو فل وقت اس بدلاؤ“ ”کے حق میں نہیں ہے

کیا ہی شاندار آواز۔

”سلطان آپ کی سلطنت میں کسی اور سلطان کے سکے، یہ مناسب نہیں ہے“

وزیر اعلی نے ہاتھ باندھے انتہائی ادب سے عرض کی۔

ہم جانتے ہیں آپ سب کس کشمکش میں مبتلا ہیں اس وقت، مگر ہم عوام کی بات کو نظر“ انداز نہیں کر سکتے“۔

چند لمحے سانس لے کر سلطان نے بات دوبارا شروع کی۔

،اور دوسری بات کہ وہ کوئی اور سلطان نہیں ہیں۔ وہ سلطان محمود اللہ خان غزنوی ہیں"

ہمارے والد، ریاست سلطان کو بلندیوں پر پہنچانے والے بادشاہ اور ہماری سلطنت میں ان کے نام اور تصویر کے سکے ہوں یہ اعزاز ہے ہمارے لیے۔

بازار کی چوتھی گلی میں اس وقت پانی کی کمی ہے۔ وہاں کنوے کا کام آج ہی شروع کیا جائے۔ جن گھروں کے سربراہ وفات پا چکے ہیں ہمیں ان کی تفصیلات جلد از جلد فراہم کی جائیں۔ اس وقت آپ سب کے لیے ان ادھورے کاموں کو انجام دینا زیادہ ضروری ہونا چاہیے۔"۔

۔ بات ختم کرتے ہی سلطان مراد اپنے تخت سے کھڑے ہوئے ان کے ساتھ ہی دربار میں بیٹھا ہر شخص اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ ادب تھا۔ اک بادشاہ کا ادب۔ اور یہ ادب سلطان مراد کے لیے ان کے لوگوں کے دل سے نکلتا تھا۔ اپنا یہ مقام سلطان نے خود لوگوں کے دلوں میں بنایا تھا۔

سلطان کے قدم باہر کی جانب تھے ان کے چلتے ہی چار سپاہی ان کے پیچھے چلے تھے۔

راہداریوں سے گزرتے ہوئے سلطان نے اپنے پیچھے چلتے اک سپاہی کو ہاتھ کے اشارے سے پاس بلایا۔

""حسن کو ہمارے پاس محل کے پچھلے حصے میں آنے کا کہیے"

ناولز کلب
Club of Quality Content!

سر کو زرا جھکا کر جی جو حکم کے انداز میں کرتا سپاہی سلطان سے دور ہوا اور اپنے کام پہ روانا ہوا محل کے پچھلے حصہ میں پہنچ کر سلطان نے سپاہیوں کو باہر رہنے کا اشارہ کر کے اپنے قدم اندر کی جانب بڑھائے۔ یہ محل کا پچھلا حصہ تھا یہاں ہر کسی کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔ کہا جاتا تھا سلطان کے والد کو اسی جگہ پر زہر دیا گیا تھا۔ دیکھنے میں یہ جگہ انتہا کی خوبصورت تھی۔ ایک چھوٹی سی نہر اور اس کے اوپر بنا اک چھوٹا سا پل اتنا کہ بس دو، تین قدم میں ہی نہر پار ہو جائے۔ ساتھ سے نکلتا خوبصورت سبزہ اور اس کے عقب میں لگے خوبصورت سورج مکھی کے بہت سارے پھول۔ یہ کتنے حسین تھے کتنے خوبصورت۔ ان پھولوں کے بیچ میں بس زرا سا پاؤں رکھنے کی جگہ تھی جس سے گزر کر سامنے ایک لکڑی کا بنا ہوا بنچ اور اس وقت اس بینچ پر بیٹھی ایک لڑکی۔ سلطان کو اندر آتا دیکھتے ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"سلطان"

اس کے منہ سے صرف ایک لفظ نکلا۔ یہ کہتے ہی ہاتھ باندھے اس نے اپنے سر کو ادب میں زرا سا جھکا یا اور واپس اوپر کو ہو کر کھڑی ہو گئ۔

"شہزادی سفیہ آپ یہاں کیا کر رہی ہیں"

"ہم بہت وقت سے آپ کی راہ دیکھ رہے تھے سلطان"

اپنی حاضری کی وجہ دے کر شہزادی نے سلطان کے اجازت دینے کا انتظار کیا۔

"بولیے ہم سن رہے ہیں"

ہاتھ پیچھے کو باندھے سلطان نے شہزادی سے پوچھا۔

"ہمیں امی حضور نے بتایا کہ آپ کو اعتراض ہے ہم سے نکاح کرنے میں۔ ہم یہ نہیں کہہ رہے کہ آپ ہمیں وجہ دیں ہم صرف جاننا چاہتے ہیں ایسا کیوں؟؟"۔

آنکھوں میں چند موتی لہراتے شہزادی سفیہ نے نظریں جھکائے اک سوال کیا۔

"ہمیں آپ کا سوال مناسب نہیں لگ رہا شہزادی۔ واپس محل جایئے، اس وقت آپ کا یہاں آنا ٹھیک نہیں"۔

انتہائی آرام سے سلطان نے شہزادی کو جواب دیا۔

"مگر سلط".

شہزادی کے الفاظ آدھی میں ہی دم توڑ گئے کہ حسن بھاگتے ہوئے آئے۔

"واپس جایئے"

حسن کو دیکھ کر سلطان نے شہزادی سے کہا۔ یہ سنتے ہی شہزادی سفیہ نے قدم آگے کو بڑھائے۔ سلطان کے اشارے پہ ایک سپاہی ان کے پیچھے چلنا شروع ہو گیا۔ تا کہ وہ باحفاظت اپنی خواب گاہ تک پہنچیں۔

شام کا وقت اور سنجرستان کے بڑے کھیت کھلیان میں دوڑتے دو گھوڑے جو تیز رفتار سے کسی سمت بھاگ رہے تھے۔ دونوں گھڑ سوار بھی ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی جلدی میں تھے۔ کھیت ختم ہوتے ہی گھوڑے رک گئے، آگے بازار شروع ہو رہا تھا۔ گھڑ سواروں نے اپنے گھوڑے سامنے موجود درخت کے ساتھ باندھے اور بازار کی اور چل دیے۔

"سلطان ہماری بات سنیں"

ایک گھڑ سوار دوسرے سے سرگوشی نما آواز میں مخاطب ہوا۔

"فلحال تو آپ خاموشی سے چلیے حسن، بھرے بازار میں اس لفظ سے مت پکاریے"

قدم اٹھانے سے ان کے قیمتی جوتے آواز کر رہے تھے۔ سلطان مراد نے سیاہ رنگ کی بڑی چادر زیب تن کر رکھی تھی جس سے چہرے کو خاصا ڈھکا سمجھ رہے تھے جب کہ وہ ایک طرف سے دکھ رہا تھا۔ بازار میں پہلے قدم کے ساتھ ہی ان کو مختلف قسم کی خوشبو محسوس

ہوئی تھیں۔ دونوں اطراف میں بنی دکانیں اور ان کے آگے لگے طرح طرح کے ٹھیلے۔

مختلف چیزوں کے ٹھیلوں میں سے سلطان کے حواسوں سے ٹکرانے والی پہلی خوشبو چمبیلی کے پھولوں کی خوشبو تھی۔ سلطان نے دائیں بائیں نظر گھمائی۔ کوئی ایک بھی ٹھیلا کوئی ایک بھی دکان پھولوں کی نہیں تھی۔ خوشبو کا صرف ایک ہی جھونکا تھا جو آیا اور چلا بھی گیا۔

چمبیلی کے پھولوں کی خوشبو کو گوشت اور مچھلی کے ٹھیلوں سے اٹھتی بو نے آن لیا کہ سلطان نے سیاہ چادر کو مزید اپنے ناک کے آگے کیا۔ اب سلطان کا چہرہ واضح نا رہا تھا۔

”یہ سب ایسے کہاں جا رہے ہیں“

حسن نے سلطان کی توجہ لوگوں کی طرف کی، وہ سب ایک ہی سمت میں دوڑے چلے جا رہے تھے۔ سلطان مراد اور حسن دونوں لوگوں کے ہجوم کے پیچھے ہو لیے۔ ایک گھر کے آگے لگی بھیڑ کو دیکھ کر دونوں اس بھیڑ کا حصہ بنے۔ لوگوں کی زبانوں سے ادا ہوئے طرح طرح کے جملے ان کے کانوں میں پڑ رہے تھے۔

جن میں سرفہرست ”یہ کیسے ہوا، وہ مر گئی، خون زیادہ ہے، اور قتل لگتا ہے“ پر آ کر سلطان کے قدم رک گئے۔

قتل؟؟ مر گئی؟ یعنی کسی عورت کو قتل کر دیا گیا تھا؟؟

سلطان مراد اللہ خان کی سلطنت میں کسی عورت کو قتل کر دیا گیا تھا؟ سلطان کے چہرے پر پسینے کی چند بوندیں نمودار ہوئی۔

سلطان نے حسن کی طرف دیکھا۔ حسن نے سمجھنے والے انداز میں سر کو خم دیا اور بھیڑ میں رستہ بناتا سلطان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ دس منٹ بعد حسن سلطان مراد کو ہجوم میں رستہ بناتا اپنی طرف آتا دکھائی دیا تھا۔ سلطان دو قدم لے کر حسن کی اور بڑھے۔

سلطان نے امید بھری نظروں سے حسن کی آنکھوں میں دیکھا۔

”وہ خاتون زندہ ہیں سلطان“

.”خدا پاک کا شکر ہے“

خدا کا شکر جو عام رعایا کے لیے اُس کے بادشاہ کے منہ سے ادا ہوا تھا۔

”کیا ماجرا ہوا؟“

سلطان نے عورت کی زندگی کا سن کے حسن سے اگلا سوال کیا۔

”خاتون حواسوں میں نہیں ہیں، لوگوں کا کہنا ہے شوہر نے مارا ہے اسے

”ہم یہاں دوبارہ آئیں گے حسن یہ بات ہماری فہرست میں درج کریے“

”جو حکم سلطان“

سلطان مراد اللہ پچھلے سات سال سے سلطنت سنجرستان پر بڑے ٹھاٹھ سے منسوب تھے۔ سلطان محمود اللہ خان کے بنائے سات مینار محل، ساری بادشاہت کے اکلوتے وارث۔ ، جنھوں نے بچپن سے محبتیں سمیٹی۔ رنجو و غم کو ان کے پاس بھٹکنے نا دیا گیا۔ شاہی لباس شاہی کھانے، شاہی بستر پر گزری ان کی بیس سالہ زندگی کے بعد سے شروع ہوتا ان کا امتحان جو سلطان محمود کی موت کے بعد شروع ہوا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان محمود کو محل کے پچھلے حصے میں زہر دیا گیا تھا۔ بے شک بہت سے بادشاہ ان کے بڑے کھلے دشمن تھے مگر محل میں گھس کے یہ گناہ کس نے سرانجام دیا یہ بات آج سات سال بعد بھی ایک پہیلی تھی۔ جس گناہ کی کاروائی کا آج تک کوئی نتیجہ نا نکلا تھا۔

ناولز کلب
Clubs of Quality Content!

سلطان محمود کو گزرے سات سال ہو چکے تھے اور سات ہی سال سلطان مراد کو سلطنت سمبھالے ہوئے تھے۔ سلطان مراد بچپن سے شاہی طور طریقوں سے بخوبی واقف تھے۔ انھوں نے ملک کے بڑے علماء اور اساتذہ سے تعلیم حاصل کی تھی۔ تخت سنبھالنے کے بعد سے سلطان مراد وقت سے پہلے بڑے ہو گئے تھے۔ وہ سلطنت اور زندگی دونوں کے معاملات کی سمجھ بوجھ بخوبی رکھتے تھے۔ سنجرستان کے لیے لئے گئے ان کے فیصلے آج تک کبھی غلط ثابت نا ہوئے تھے۔ ان کی عوام ان پر یقین رکھتی تھی۔

آج شہر سنجرستان خوشحال تھا تو اس کی واحد وجہ سلطان مراد کی بہادری اور سلطنت چلانے کا طور طریقہ تھا۔ جس کو لاہور کی عوام نے دل کھول کر قبول کیا تھا۔

سنجرستان کی تاریخ کا پہلا بادشاہ جو راتوں میں نکل کر عوام کی خبر رکھتا تھا۔ جن گھروں کے سربراہ مر جائیں ان کو راشن فراہم کرتا، یتیموں کو یتیم نا ہونے دیتا، بزرگوں کا بازو بنتا۔ وہ بادشاہ واقع بادشاہ تھا۔ نہیں تو بدلو وقت کا پنا اور دکھاؤ ایسا بادشاہ جو ایک مرتی عورت کے زندہ ہونے پہ خدا کا شکر ادا کر رہا ہو۔ جس سے اس کی نا جان تھی نا پہچان۔ بس اک رشتہ تھا احساس کا تب ہی تو سنجرستان چمکتا تھا، خوشیوں سے۔

”کیا سوچ رہے ہیں سلطان؟“

سلطان جو زمین کو گھورے جا رہے تھے

آواز سنتے پیچھے مڑے، سر کو زرا سا خم دیا، نظریں جھکائی۔

”امی حضور“

آپ اتنی رات گئے تک حشاش بشاش باغیچے میں یوں اکیلے کھڑے ہیں، سب خیریت“

”ہے نا؟

جی امی حضور سب خیریت ہے، ہم بس کچھ وقت اکیلا رہنا چاہتے تھے اسی لیے کسی کو" ساتھ نہیں لائے"۔

چلیں ٹھیک ہے پھر آپ اپنا وقت گزاریے ہم چلتے ہیں، داسیاں ہماری راہ دیکھ رہی ہوں" گی، ہم آپ کے وقت میں خلل نہیں ڈالتے"اس بات کے بعد سلطان نے سر کو زرا سا پھر خم دیا تو والدہ سلطان آگے کو بڑھ گئی۔

"آپ نے ہمیں یاد کیا سلطان"

ایک ادھیڑ عمر شخص ہاتھ باندھے ادب سے کھڑا ہوا اس کے پیچھے ایک سپاہی بھی تھا جو غالباً اس شخص کو بلانے گیا ہوگا۔

"جی حسیب الرحمان صاحب سنا ہے آج کل باغیچے کی دیکھ بال آپ کر رہے ہیں۔"

."آپ نے درست سنا ہے سلطان، کیا ہم سے کوئی کوتاہی سرزد ہو گئی ہے"

نہیں نہیں! ہمیں بس خیال آیا تھا کہ یہاں چمبیلی کے پھولوں کی اک جھاڑ تھی اب" نہیں ہے". ہاتھ سے سامنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مالی کو جگہ دکھائی۔ وہاں واقع چمبیلی کے پھول نہیں تھے وہاں معمولی سی گھاس تھی اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس کے آس پاس اور پھول تھے جن میں نرگس، گلداؤدی اور کنول شامل تھے۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

معافی چاہتے ہیں سلطان ہم جب کل صبح یہاں آئے تو ہمیں بھی اس بات پر حیرت ہوئی“ تھی۔ کیونکہ جھاڑ یہاں سے غائب تھی مگر کام کرتے ہوئے ہم نے اس کو محل کے پچھلے حصے میں لگا دیکھا تھا۔

مالی نے سہم کے الفاظوں کو ترتیب دیا۔

کوئی بات نہیں آپ کل یہاں بھی چمبیلی کے چند بیج بو دینا۔ وہ پھول یہاں اچھے لگتے“ ہیں”۔

جی جی سلطان” مالی نے سر کو جھکایا“

”آپ جا سکتے ہیں“

مالی الٹے قدم لیتا واپس کو ہو لیا

سلطان مراد ایک بار پھر اس جگہ کو غور سے دیکھنے لگے جہاں چمبیلی کے پھول لگے تھے۔

شاید وہ کچھ یاد کرنا چاہتے تھے، یا شاید ان کو کچھ یاد تھا۔ ایک نظر اٹھا کر سلطان نے اوپر بنے جھروکا کی طرف دیکھا۔ وہ سلطان کی خواب گاہ سے نکلتا جھروکا تھا۔ تو سلطان کے چمبیلی کے پھولوں کا جھاڑ اس جگہ ہونے کا مقصد سلطان کی خواب گاہ سے دکھائی دیتی یہ جگہ تھی۔ یا کچھ اور؟؟

سات مینار محل میں بھگدڑ مچی پڑی تھی۔ تمام داسیاں ایسے بھاگ بھاگ کے کام کر رہی تھی جیسے عید آگئی ہو۔ جیسے جشن ہو۔ لیکن جشن تو ابھی بھی تھا۔ محل کے گوشے گوشے کو پھولوں سے سجایا گیا تھا اتنی خوشبو کہ روح میں دھس جائے۔ والدہ سلطان تیز قدم اٹھاتی سارے کام پر نظر ڈالتی باورچی خانے کی اور جا رہی تھی۔

یہاں ٹھیک کرو، یہ تخت غلط پڑا ہے، قالینیں درست کرو، وغیرہ وغیرہ۔

اور باورچی خانے میں بنے کیا ہی شاندار پکوان، دس داسیاں دس مختلف قسم کے پکوان اٹھائے والدہ سلطان کے حکم کی منتظر تھی۔

یہ تمام پکوان تیار ہیں ان کو آپ سب مہمان خانے میں لگائیں، یاد رہے کوئی کوتاہی نا ہو"۔ حکم سخت تھا، آواز میں رعب، سلیقہ مند خاتون والدہ سلطان۔

اتنے میں دوڑتا ہوا ایک سپاہی باورچی خانے کے باہر آیا دروازے پہ دستک دی، پھولتا ہوا سانس بحال کیا۔

"طغیر نگر کے بادشاہ تشریف لا چکے ہیں"

ناولز کلب
Club of Quality Content!

سلطانہ کو خوشخبری دی اور واپس باہر کی اور چلا گیا۔ والدہ سلطان بھی اپنا حکم باورچی خانے میں موجود داسیوں کو دے کر مہمان خانے کی اور چل دی۔

ایک اور ملک، ایک اور سلطنت، ایک اور سلطان، ایک اور نام۔

مہمان خانے میں آواز بلند ہوئی سلطان ارسلان شاہ تشریف لا رہے ہیں۔

، مہمان خانے میں موجود والدہ سلطان، شہزادی سفیہ، اماں بی (شہزادی سفیہ کی والدہ سلطان کی چچی)، اور شہرادی زرقا (چچی کی دوسری بیٹی) اپنے اپنے تخت سے کھڑے ہو گئے۔

والدہ سلطانہ آگے بڑھی۔

”سلام ابو جان“

سلطان ارسلان کے دونوں ہاتھوں کو چومتے ہوئے ان سے گلے لگی

”خوش آمدید سلطان“

چچی جان کے ساتھ ان کی دونوں صاحب زادیوں نے بھی خوش آمدید کہا۔ سلطان ارسلان نے سر کو خم دیا آگے کو بڑھے ان کے پیچھے ان کی زوجہ داخل ہوئی۔ والدہ سلطان آگے بڑھی اپنی امی جان کے گلے لگی۔

”خوش آمدید امی جان“

”کیسی ہیں ہماری صاحبزادی؟“

سلطان ارسلان نے وہاں موجود ایک تخت کو سنبھالتے ہوئے خوش دلی سے اپنی صاحب زادی سے سوال کیا۔

”ہم خیریت سے ہیں ابا حضور“

والدہ سلطان نے اپنا تخت سنبھالنے ہوئے جواب دے کر اپنے ساتھ کھڑی داسی کو ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اشارے کی دیر تھی کہ چار داسیاں گڑ کا ٹھنڈا شربت لیے مہمان خانے کے اندر آئی۔ تمام مہمانوں کے پیچھے کو کھڑی داسیوں نے آگے ہو کر شربت کے گلاس مہمانوں کی خدمت کو پیش کیے جن کو انھوں نے تھام لیا۔

”سلطان دکھائی نہیں دے رہے“

امی جان نے نظر اٹھا کر یہاں وہاں دیکھتے ہوئے والدہ سلطان سے سوال کیا۔

”کہاں ہیں سنجرستان کی شان“

ابا حضور نے بھی ہاتھ میں پکڑا شربت کا گلاس داسی کی طرف بڑھاتے ہوئے سوالی نظروں سے سات مینار محل کی عورتوں کی طرف دیکھا۔

”ہوشیار! سلطان مراد اللہ خان تشریف لا رہے ہیں“

مہمان خانے کے باہر کھڑے دربان نے با آواز بلند صدا دی۔ اتنی سی بات تھی اور سلطان مراد اللہ خان اپنے پیچھے دو سپاہیوں کے ساتھ اندر آئے۔ کھڑی مغرور ناک، بدن پر عالیشان لباس، ٹک ٹک کرتے جوتے اور سلطان کے بدن سے آتی خوشبو نے چند لمحوں میں مہمان خانے کی ہواؤں کو بدل دیا۔ تلوار کو پیچھے چلتے سپاہی کو پکڑاتے سلطان نے قدم مہمانوں کی اور بڑھائے۔ مہمان خانے میں موجود محل والے اپنی نشستوں پر کھڑے ہو گئے۔ ہلکے قدم لیتے چہرے پہ وجیہہ مسکراہٹ سجائے وہ خوش دلی سے سلطان ارسلان کے گلے لگے۔ نانی جان کی اور بڑھے تو وہ اپنے تخت سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ سلطان نے ان کے دونوں ہاتھوں کو باری باری بوسہ دیا۔ اور اپنے تخت کی اور بڑھے۔ تخت کے پاس رک کر وہ پلٹے۔

”سلطان ارسلان اور نانی جان کو ہمارا سلام“

”ہماری طرف سے خوش آمدید قبول کریں“

ہم دیر سے آنے کے لیے معذرت خواہ ہیں، دیوانِ عام میں ہمیں کچھ معاملات نمٹانے“

”تھے

”کوئی بات نہیں، ہم سمجھ سکتے ہیں“

ناولز کلب
Club of Quality Content

یہ سلطان کی نانی کے الفاظ تھے۔

دیوانِ عام کے عام معاملات بعد میں طے ہو جاتے آپ کا یہاں آنا اس وقت زیادہ“

”ضروری تھا

سلطان ارسلان نے سیدھا طعنے سے پہلا وار کیا۔

”ہماری عوام کے مسائل کا حل تلاشنا ہماری پہلی ترجیح ہے سلطان ارسلان“

سوال کے جیسا جواب۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

محل کے اندر مہمان خانے میں موجود ان افراد کو اپنی اپنی جگہ چھوڑ کر اگر قدم محل کے باہر لے جاؤ تو بازار میں بھیڑ اور گھر مردوں سے خالی ملیں گے۔ سنجرستان کی ایک چھوٹی سی گلی اور اس میں بنے کچے مکانوں میں سے ایک مکان کے کچے سے صحن میں چھت سے لٹکتے بڑے سے کپڑے کی چھاؤں میں پڑا ایک تخت، تخت پہ بیٹھی ایک ادھیڑ عمر خاتون، سر پر اک ادھڑا سا سکارف اور ہاتھ میں چھری جس سے وہ آلو کے ٹکڑے کر رہی تھیں، سامنے والے تخت پہ سوتی لڑکی جس کی شکل چہرے پہ ہاتھ رکھنے کی وجہ سے واضح نا تھی۔ اس کے لمبے

گھنے کالے بال جو اس کے آس پاس بکھرے ہوئے تھے۔ جھٹ سے ہاتھ آنکھوں سے ہٹاتی اونچے سانس لیتی اٹھ بیٹھی۔

ایک ہاتھ دل کے مقام پہ رکھے ایک ہاتھ سے بال پیچھے کرتی وہ اونچی سانسیں لینے لگی۔ سیاہ بڑی آنکھیں،، اٹھی ہوئی لمبی پلکیں، لال گال اور پھٹے ہوئے لب۔ بہت خوبصورت نہیں مگر بے حد پرکشش تھی۔

”خاندان کو وقت دینا ان عام رعایا سے زیادہ ضروری ہوتا ہے“

ایک اور وار اور اس کے ساتھ ہی تمام خواتین کو اندازہ ہو چلا تھا کہ اب یہ بحث بڑی دور تک جائے گی۔ سلطان مراد کے سلطنت سنبھالنے سے پہلے تک ان دونوں سلطانوں کے درمیان سب ٹھیک تھا۔ سلطان محمود کی موت کے بعد جب سلطان مراد نے سلطنت سنبھالی تو سب سے پہلے دیوان عام کے مسائل پر دھیان دینا شروع کیا۔ پہلا مسلہ جو سلطان مراد کو عوام کی طرف سے موصول ہوا وہ عورتوں کی التجا تھی کہ ان کے شوہر جو تجارت کے لیے طغیر نگر گئے تھے وہ واپس نہیں لوٹے۔ ان کے بچے فاقے کاٹ رہے ہیں اور عورتیں

ناولز کلب
Club of Quality Content

بھیک مانگ کر تو کھانے سے رہی۔ اس مسلے کی تحقیق کرنے کے بعد سلطان مراد کو معلوم پڑا کہ جو لوگ تجارت کے لیے سنجرستان سے نکلے تھے ان کے واپس نا لوٹنے کی وجہ ان کو قید کر دینا ہے۔ آخری دفع جب سنجرستان سے تجارتی قافلہ طغیر نگر پہنچا تو ان کو روک کر ان کی واپسی سے پہلے طغیر نگر میں ہوئی گئی آخری چوری کے الزام کے تحت ان سے تفتیش کی گئی وہ تفتیش صرف سوالات پر مشتمل نہیں تھی بلکہ وہ لوگ جنھوں نے ثابت کرنا چاہا کی وہ سب غلط نہیں ہیں ان پر تشدد کیا گیا۔ جب غائب ہوئی کوئی بھی اشیاء ان کے پاس سے برآمد نا ہوئی تو ان کو محض شک کی بناء پر کال کوٹھری میں ڈال دیا گیا۔ بغیر سچ کا پتا لگائے ان کو مجرم بتا کر وزیر اعلی نے سلطان ارسلان کے سامنے پیش کیا اور سزا میں ان کے ہاتھ کاٹ دینے کا حکم سنا دیا۔ یا ان میں سے جو انسان طغیر نگر میں ان کے خلاف آواز اٹھاتا اس کو طغیر نگر کے سلطان کی ، شان میں گستاخی کرنے کے جرم میں مار دیا جاتا۔ یہ سب کرنے کے پیچھے وزیر اا علی کا ہاتھ تھا وجہ شروع دن سے سنجرستان کا ناپسند ہونا تھی۔

سلطان مراد نے اس مسئلے کو سلطنت سنبھالتے ہی حل کرنے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے سلطان ارسلان کے نام پیغام بھیجا جس میں صاف الفاظوں میں ان کے لوگوں کو چھوڑنے کو

کہا اور آخر میں ایک دھمکی کہ ساتھ کہ اگر ان کی مانگ پوری کر کے ان کے لوگوں کو واپس سنجرستان روانہ نا کیا گیا تو اگلی دفعہ سنجرستان سے تجارتی قافلہ طغیر نگر روانہ نا کیا جائے گا۔ طغیر نگر چونکہ اتنا گندم، کپاس اور کپڑے میں دھنی نا تھا کہ وہ سنجرستان کی تجارت کے بغیر چل سکتا تو اس کو مجبوراً سلطان مراد کی شرط پر آمین کہنا پڑا۔ ساتھ ہی ساتھ سنجرستان کے لوگوں کو واپس روانہ کیا۔ وہ دن اور آج کا دن سنجرستان اور طغیر نگر کے درمیان فاصلے بڑھ گئے۔ پیغام کے بعد وزیر اعلی نے سلطان کو سنجرستان کے خلاف بھڑکانا شروع کیا۔ سلطان ارسلان مجبوراً کچھ کہہ نا سکتے تھے تو انھوں نے اپنی بیٹی یعنی والدہ سلطان سے میل جول اور بات چیت ختم کر دی۔ خطوط اور پیغامات کا سلسلہ جو ان میں کبھی رکتا نا تھا اس میں والدہ سلطان کے پیغامات کے جواب آنے بند ہو گئے۔

رشتے داری ایک سیاسی مسلے کی بھینٹ چڑھ کر رہ گئی۔

سلطان ارسلان کو سلطان مراد پسند نہیں رہے۔ ان کی ہر بات سے اختلاف کرنے کو سلطان ارسلان نے اپنی انا کا مسلہ بنا لیا۔ اور یہ مسلہ ان کو ان کی خود کی بیٹی سے دور کرنا شروع ہو گیا۔ آج تین سال بعد سلطان ارسلان سنجرستان آئے تھے۔ کسی کے دعوت دینے سے نہیں۔ وہ خود آئے تھے۔ اپنے مرضی سے۔

ہماری عام رعایا ہمارا دوسرا خاندان ہے اس لیے ہم آپ کی بات سے اتفاق کرتے ہیں“

”سلطان کے لیے خاندان زیادہ ضروری ہوتا ہے

ادب کے دائرے میں رہتے ہوئے نہایت شریفانہ طریقے سے ایک اور جواب سلطان مراد نے سلطان ارسلان کی پیش نظر کیا تھا۔

”ہم نے سنا ہے آپ نے سعادت گڑھ کے ساتھ ہاتھ ملانے کا فیصلہ کیا ہے“

سلطان ارسلان نے اونچی سانس خارج کی اور اپنا ایک سوال سلطان مراد کے لیے گئے فیصلے پہ اٹھایا۔

”آپ نے درست سنا ہے“

عام انداز میں مختصر سا جواب

یہ جانتے ہوئے بھی کی طغیر نگر اور سعادت گڑھ ایک دوسرے کے کھلے دشمن ہیں تو کیا“

”میں آپ کے اس فیصلے کی وجہ جان سکتا ہوں؟

آواز میں کڑواہٹ کی نیم سی شروعات سلطان ارسلان کی طرف سے ہوئی تھی۔

”خواب تھا جہاں آرا“

اماں نے آرام سے کہا۔

”جانتی ہوں اماں“

”روز ایک ہی خواب دیکھ کہ ڈرتی رہتی ہیں اب بڑی ہو جائیں اور جا کر دکان کھولیں“

”اماں دیکھیں نا“

کہتی وہ اپنے تخت سے اٹھ کر اماں کے تخت کی اور بڑھی۔

یہ میرے دل پہ ہاتھ رکھیں آپ یہ اتنا تیز ہو جاتا ہے ہمیں جب جب وہ خواب آتا ہے۔“

”ہم اس کو در گزر نہیں کر پا رہے.

”شہزادی بھی ہو اور باندی بھی ایسا نہیں ہو سکتا“

خواب پہ اماں نے اپنی رائے دی

نہیں اماں! ہم آپ کو بتا رہے ہیں نا کہ ہم نے شہزادیوں کا لباس زیب تن کر رکھا تھا مگر“ اس کے ساتھ زنجیروں سے جکڑے ہوئے بھی تھے، ہم بتا رہے ہیں اماں ہم بے حد تکلیف ”سے گزرتے ہیں اس خواب کو دیکھ کر

آنکھوں میں پریشانی اور چہرے پہ مسکراہٹ لیے اپنے اماں کو سمجھاتی وہ تخت سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ لباس جو پاؤ کو چھو رہا تھا، زلفیں کھلی۔ اس نے ہاتھ سے ان کو پیچھے کیا اور سامنے

صحن میں رکھی بالٹی سے منہ دھویااور واپس اندر کو گئی۔ اماں ابھی تک آلو ہی صاف کر رہی تھیں۔

ویسے آپ کو نہیں لگتا اماں کہ ہمیں اب محل والوں کو بھی اپنی دکان کے بارے میں آگاہ“ کرنا چاہیے ہو سکتا ہے کہ ان کو پسند آجائے اور وہ ہمیں کوئی انعام دے دیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انعام کے طور پر وہ ہمیں محل میں آنے جانے کی اجازت دے دیں، وہاں کا باغیچہ ”سنبھالنے کا کام دے دیں اور ایسا بھی ہو

اسکی بات بیچ میں ہی رہ گئی جب اس نے اماں کی آنکھوں میں ابھرتی نمی کو دیکھا۔

”نہیں ہم تو بس بات کر رہے تھے“

بات ختم کرنے کے انداز میں بولی

”دوبارہ ایسا سوچنے اور ایسی بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے“

غصہ اور نرمی کے ملے جلے اثرات۔

”جی۔۔۔جی اماں“

“آپ ہماری باقی باتوں کو ہوا میں اڑائیں اور ہمارے خواب کی تعبیر پتا کروائیں“

ناول کلب
Clubb of Quality Content

”ہم نکل رہے ہیں دکان کے لیے اماں“

دروازے کی اور بڑھتے اس نے مڑ کر اماں سے کہا۔

’اللہ کی امان“

ماں کی محبت اور دعا دونوں لیے وہ سنجرستان کے بازار کی طرف ایک بار پھر روانہ ہو چکی تھی۔

”انھوں نے امن کا پیغام بھیجا تھا اور ہم امن کی بات سے انکار نہیں کر سکتے“

”مگر دشمن سے ہاتھ ملا سکتے ہیں؟“

وہ طغیر نگر کے دشمن ہیں سلطان سنجرستان کے نہیں، ہم صرف امن قائم کرنا چاہتے ہیں“

”آپ سعادت گڑھ سے ہاتھ ملا کر طغیر نگر سے مخالفت شروع کرنا چاہتے ہیں؟“

سلطان ارسلان آپ محض بات کو طول دے رہے ہیں ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں، آپ بے“ ”فکر رہیے سعادت گڑھ سے ہاتھ ملانے کا مطلب ہرگز آپ کی مخالفت نہیں ہے

ناولز کلب
Club of Quality Content

اس سے پہلے کہ گفتگو بڑھتی داسی نے کھانے سے آگاہ کیا تو وہاں بیٹھا ہر شخص کھانے میں مصروف ہو گیا۔

چہرے پر سیاہ رنگ کا رومال باندھے تیز قدموں سے بازار میں دوڑتا ایک پچیس، چھبیس برس کا نوجوان اور اس کے پیچھے دوڑتے محل کے چار سپاہی۔ محل کے سپاہیوں کی رفتار بھی کچھ کم نا تھی۔ جیسے ہی نوجوان چند قدم تیز ہوتا ساتھ ہی سپاہی بھی تیز ہو جاتے۔ ان کی رفتاروں میں فرق صرف بازار کی گلیوں میں پڑے ٹھیلوں کی وجہ سے آتا تھا۔ کتنی ہی دیر ایسے ہی نوجوان بھاگتا اور سپاہی اس کو پکڑنے کی کوشش کرتے رہے کہ آخر کار وہ اک دکان میں چھپ نا گیا۔ باہر سپاہیوں نے اس کو تلاش کرنے کی بڑی کوشش کی مگر ناکام رہے اور واپسی کی راہ اختیار کر گئے۔

نوجوان جس دکان میں موجود تھا وہ پھولوں کی دکان تھی۔ اس میں ایک ہی طرح کے بہت سے پھول تھے، جن کی خوبصورت خوشبو دل کو چھو رہی تھی۔ سامنے رکھی کچھ شیشیاں جن میں کچھ پانی سے گاڑھا مگر بے رنگ رکھا گیا تھا۔ یہ شیشیاں دکھنے میں ایک جیسی تھی مگر ان

Club of Quality Content

میں پڑا ہوا سامان مختلف مقدار کا تھا۔ دکان کی دو دیواروں پر پھولوں کی لڑیاں لگی تھیں اور ایک دیوار پر آیت جس کے ساتھ اس کا ترجمہ نہیں کیا گیا تھا۔

نوجوان باہر نکلنے کے لیے کھڑا ہوا ہی تھا کہ دکان کی مالکن اندر آئی اور ان شیشیوں کو ان کی درست جگہ پر رکھنے لگی۔ اس کو دیکھ کہ نوجوان واپس بیٹھ گیا۔

"باہر آجائیے جناب، سپاہی لوٹ گئے ہیں۔"

حیرانگی کی اک لہر نوجوان کے چہرے سے ہو کے گزری۔

"آپ جانتی تھی میں یہاں چھپا ہوا ہوں؟"

یقینی طور پر سوال یہ ہی بنتا تھا۔

"جی جناب۔ تو اب آپ مجھے بتائیں گے کہ آپ سپاہیوں سے کیوں بھاگ رہے تھے؟"

شیشیاں صاف کرتا ہاتھ روک کر جہاں آرا نے نوجوان کی طرف چہرہ گھمایا۔

"محل کی دیوار پھلانگتا دکھ گیا تھا ان کو"

بنا ندامت کے مسکراتے ہوئے سیدھا سچا جواب۔

"تو چور ہیں آپ"

جہاں آرا نے دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے سامنے کھڑے نوجوان سے سوال کیا۔

”گھبرائیے مت آپ کے پھول نہیں چراؤں گا“

مسکراتے ہوئے اس نے ایک ہاتھ شیشی کی طرف بڑھاتے جواب دیا۔ جس پر جہاں آرا نے اس کو گھوری سے نوازا۔ نوجوان نے شیشی کھولی اور ناک کے پاس لے جا کر ایک سانس اندر کو کھینچی جس کی کائی خوشبو نہیں تھی۔

”تو پھول بیچتی ہیں آپ“

آگے پیچھے بکھرے پھولوں کو دیکھ کر نوجوان نے ایک اور سوال کیا۔

”خوشبو بیچتے ہیں ہم“

وہاں موجود بہت سی شیشیوں میں سے ایک شیشی نوجوان کی اور بڑھاتی وہ بولی۔

خوشبو بیچی تھوڑی نا جاتی ہے، خوشبو تو محسوس کرتے ہیں۔ باتوں میں سانس اور سانسوں میں ہوا کی طرح“۔

”تو جناب شاعر بھی ہیں“

”نہیں خوشبو کے معاملے میں اپنے خیالات کا اظہار کر رہا ہوں“

جہاں آرا نے نوجوان کی بات سن کر سر کو ہاں میں ہلانے پر اکتفا کیا۔

”تو ان سب میں صرف چمبیلی کے ہی پھولوں کا بنا اتر ہے؟“

”جی جناب۔ کیا آپ خریدنا چاہیں گے؟“

”آپ بیچنا چاہیں تو ضرور“

”پھر آپ خریدنے والے بنیئے“

جہاں آرا نے اک شیشی نوجوان کی طرف بڑھائی اور اس نے چاندی کے چند سکے۔ وہ ان کو دیتا دکان سے نکل ہی رہا تھا کہ واپس پیچھے کو مڑا۔

”ویسے چور نہیں ہوں میں. یہاں دوسری گلی کے رحمان بابا کی دکان پر کام کرتا ہوں“

وہ صفائی نہیں دے رہا تھا صرف اپنی طرف کی کہانی بتا رہا تھا۔

جہاں آرا نے نظر اٹھا کر اس کو دیکھا، ایک لمحے کا دیکھنا ایک صدی کا وقت لے گیا۔

چہرے پہ نقاب ہونے کی وجہ سے صرف اس کی آنکھیں واضح تھیں۔ چمکتی ہوئی شہد رنگ آنکھیں۔ اتنی گہری کہ سامنے والے کو ساکن کر دیں۔ نوجوان نے دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں کو ملا کر سر کی دائیں جانب رکھ کر ہٹایا۔

”پھر ملیں گے محترمہ“

کہتے ہی دکان چھوڑ کر نکل گیا۔ اور پیچھے رہ گئی جہاں آرا رستے کو تکتی جس سے وہ اوجھل ہو چکا تھا۔ اس نے نظر جھکائی اور فرش پہ اس جگہ دیکھنے لگی جہاں وہ کھڑا تھا۔ وہاں خون کی چند

ناول کلب
Club of Quality Content

بوندیں گری ہوئی تھیں۔ جہاں آرا آگے بڑھی خون کے پاس بیٹھی۔ وہ تازہ تھا۔ جہاں آرا اپنی جگہ سے اٹھی دکان کے باہر نکلی اور ایک بار پھر وہاں دیکھنے لگی جہاں سے وہ گزر کر گیا تھا۔ جہاں آرا نے اس کو پیچھے سے گھورا۔ چند قدم آگے بڑھی تو وہاں بھی خون کے چند قطرے پڑے تھے۔ تو ثابت ہوا کہ خون اس آئے نوجوان کا ہی بہہ رہا تھا۔

کتنا بے پرواہ تھا۔ ناجانے کتنا خون بہہ گیا ہو گا۔

ڈھلتا سورج اپنے ساتھ سارے سنجرستان میں خاموشی کے کر آیا۔ ہر سو شمع روشن کر دی گئی تھیں۔ شہر کی تمام بتیاں جھج چکی تھیں جبکہ سات مینار محل میں جگہ جگہ مشعلیں جلادی گئی، داسیاں نیند کی وادیوں میں غرق ہو گئیں اور پہرے دار سپاہیوں کی آنکھوں میں نیند رواں ہونے لگی۔ اتنے میں محل کے تہ خانے کی طرف اک انسان کے بڑھتے قدموں کی گونج اٹھتی ہے۔ ہاتھ میں اک مشعال اٹھائے اس کی روشنی اتنی تھی کہ با مشکل رستہ نظر آرہا تھا۔ تے خانے کی ٹھنڈک جو اس شخص کو چادر درست کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔ تے خانے ، کا ماحول خوفزدہ کر دینے کی حد تک ڈراؤنا تھا۔ بڑے برے پتھر، روٹی ہوئی کرسیاں اور چاقو چھریاں۔ جگہ جگہ پڑے کوئلے اور انکی راکھ۔ یعنی یہاں سزائیں بھی دی گئی تھی۔ ظاہر ہے

Clubb Quality Content

محلوں میں تے خانے اسی لیے تو بنائے جاتے ہیں۔ اس شخص نے اپنا چہرا چھپا رکھا تھا۔ دھیمے قدم اٹھاتا وہ اک کال کوٹھری کے آگے جا رکا۔ ہلکی سی روشنی کال کوٹھری کے اندر پڑی تو اندر بیٹھا اک وجود نظر آیا۔ بڑھے ہوئے گھنے بال، لمبے ناخن،، ادھڑا ہوا لباس اور بنا جوتوں کے بیٹھا وہ شخص۔ اس نے چہرہ اوپر کو اٹھایا۔ موٹی آنکھیں اور ان کے نیچے ہوئے ہلکے، پھٹے ہوئے لب اور چہرے پہ بہت سارے نشان۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور باہر سے آئے شخص کی طرف بڑھا۔

“سنجرستان میں موت کا کھیل شروع کرو برخودار”

کال کوٹھری کے اندر سے اس نے اپنا ہاتھ باہر کی طرف بڑھا کر سامنے بیٹھے شخص کو ایک کاغذ پکڑایا۔ چہرے پر گھاؤ مشعال کی روشنی میں واضح ہوئے۔ باہر سے آیا وہ شخص اٹھا اور جیسے آیا تھا ویسے ہی راہداریوں میں واپس گم ہو گیا۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

تے خانے صرف محلوں میں دی جانے والی سزاؤں کے لیے نہیں بنائے جاتے۔ حقیقتاً بڑے محلوں کے بھیانک راز سرد تے خانوں کی اندھیری کوٹھریو میں دفن ملتے ہیں۔

تیز قدموں سے بھاگتے پانچ، چھ سپاہی ہاتھوں میں تلواریں پکڑے کسی کا پیچھا کر رہے تھے۔ سامنے بھاگتا ہوا وجود تیز رفتار سے محل کے پچھلے حصے سے بھاگتا ہوا نکلا۔ اس کے سر پر دوپٹہ اور بدن پر اک عام سا لباس تھا۔ دوپٹے سے ڈھکا ہوا چہرا، ہاتھ میں چھن چھن کرتی چند چوڑیوں کی آواز اور چہرے پہ نظر آتی سیاہ آنکھیں۔ ہاتھ میں پکڑے تھیلے کو مزید مضبوطی سے جکڑے وہ دونوں ہاتھوں کی مدد سے دیوار کے اوپر چڑھی۔ ایک ٹانگ دیوار کی اس پار اور دوسری ٹانگ دیوار کے دوسرے پار گرائے اس نے ایک لمحے کے لیے بس دیوار پہ بیٹھے اپنے جیسے ایک دوسرے وجود کو دیکھا۔ چہرے پر سیاہ کپڑا باندھے ایک اور انسانی جان جو اس وقت اس دیوار پر موجود تھی شہد رنگ آنکھوں کو دیکھتے ہی وہ پہچان گئی تھی کہ یہ کون ہو سکتا ، ہے۔ نظروں کا تبادلہ ہوا۔ جہاں آرا نے اس کو "آپ یہاں کیسے" والی نظروں سے گھورا جس کے جواب میں نوجوان نے کندھے اچکا دیے۔ نوجوان نے نظروں کا زاویہ بدلا ساتھ ہی محل کی دیوار سے چھلانگ باہر کی طرف لگائی۔ پیچھے مڑا اور ہاتھ کو دیوار پہ بیٹھی عام لباس والی لڑکی کی طرف بڑھایا۔ سپاہی پہنچ چکے تھے۔ لڑکی نے نوجوان کا ہاتھ تھام کر محل کی دیوار سے چھلانگ لگائی اور دونوں ایک بار پھر بازار کی طرف نکل بھاگے۔

”آپ چور ہیں ؟“

جلاد دینے والے انداز میں جہاں آرا کی دکان کے اندر بیٹھے نوجوان نے جہاں آرا سے سوال کیا۔

”شکل سے ہم آپ کو چور لگتے ہیں ؟“

چہرے سے دوپٹہ ہٹاتے جہاں آرا نے سوال کے بدلے سوال کیا۔

”شکل تو اچھی خاصی ہے آپ کی“

ہم بھی آپ کی بارے میں ایسی رائے رکھ سکتے تھے مگر افسوس ہم نے شکل نہیں دیکھی“

”نا آپ کی

ہر قسم کے طنز سے پاک لہجہ مگر بات زرا کڑوی تھی۔

لیکن آپ کی آج کی حرکت نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ آپ کیسے یہ کر سکتی ہیں“۔

آپ کو اپنا وقت بیکار کی چیزوں کو سوچنے کی بجائے رحمان بابا کا ہاتھ بٹانے میں لگانا چاہیے“ یہ زیادہ بہتر رہے گا“۔

”نہیں بیکار بات نہیں ہے، آپ کی آنکھیں کام کرتی ہیں ویسے ؟“

نوجوان کا سوال سن کے جہاں آرا نے اس کو ایک گھوری سے نوازا

میرا مطلب ہے کہ آپ کو محل کا اتنا بڑا، عالیشان دروازہ دکھائی نا دیا کہ آپ دیوار پھلانگ رہی تھی؟"۔

جہاں آرا کی گھوری کے بعد اس نے اپنے بچاؤ میں مزید چند الفاظوں کا استعمال کیا۔

"، ہمیں اچھا لگتا ہے بندروں والی حرکتیں کرنا"

"شکل سے تو اچھی خاصی انسان معلوم پڑھتی ہیں آپ"

شکلیں باطن ظاہر کرنے لگ جائیں تو انسانوں کو الفاظوں کی ضرورت نا پڑے، ایک" دوسرے کی شکلیں دیکھ کر ہی سمجھ جائیں"۔

"کافی اچھا بولتی ہیں آپ"

چند ثانیے جہاں آرا کے چہرے کو گھورنے کے بعد اس نے اپنے الفاظ ترتیب دیے۔

"تعریف کر رہے ہیں؟"

"آپ تعریف سمجھ کر ہی رکھ لیں"

"کیا؟"

"میرے الفاظ"

جہاں آرا کی آطرف دیکھتے ہوئے اس نے آرام سے کہا۔ جہاں آرا سمجھ نا آنے والے انداز میں نوجوان کا چہرہ دیکھنے لگی۔ وہ جہاں آرا سے متاثر ہوا تھا۔ وہ بھی اچھا خاصا۔

”چلیں میں چلتا ہوں، رحمان بابا انتظار کر رہے ہوں گے“

کہتے ہی نوجوان نے قدم دکان سے باہر کی طرف بڑھائے

”سنیں“

جہاں آرا کی آواز نے اس کے قدم زنجیر کیے۔ نوجوان نے آنکھیں بند کیں شاید وہ اس آواز کو محسوس کر رہا تھا۔ وہ رک گیا لیکن مڑا نہیں

”آپ کا زخم ٹھیک ہے؟“

”معمولی گھاؤ مجھے لگتے رہتے ہیں آپ کس زخم کا کہہ رہی ہیں“

اس بات پر جہاں آرا نے کوئی بھی جواب نا دینے پر اکتفا کیا۔ نوجوان سمجھ گیا وہ جواب نہیں دینا چاہتی۔

”چلتا ہوں“

”خیر سے جائیں“

کام میں مصروف ہاتھ اور بے پرواہ سے انداز میں جہاں آرا نے نوجوان کو دعا دی۔

ناولز کلب Clubb of Quality Content

بڑھا ہوا نوجوان کا قدم ایک بار پھر زنجیر ہو گیا۔ جہاں آرا کی آواز اس کی سماعتوں کے ساتھ ساتھ کہیں اور بھی جا ٹکرائی تھی۔ اوہ خدایا یہ وہ کیا کر رہی تھی۔ اپنی تمام تر سوچوں کو دور کہیں دبا کر وہ رحمان بابا کی دکان کی طرف روانا ہوا۔

”حسن کو ہمارا بلاوا بھجوایا جائے“

جھروکے کے بیچ و بیچ دونوں بازو اس پر رکھے شان سے کھڑے سلطان مراد اللہ خان نے بلند آواز میں حکم دیا۔ سلطان سے تھوڑے فاصلے پر کھڑے دو سپاہیوں میں سے ایک سپاہی سلطان کے حکم کے بعد باہر کی اور بھاگا۔ چند لمحے بیتے تھے کہ سلطان کی خواب گاہ کا دروازہ کھلا۔ دونوں ہاتھ سامنے باندھے شہزادی سفیہ اندر آئی۔

”سلطان“

شہزادی کی آواز پہ سلطان پلٹے۔ سپاہی کو آنکھوں سے باہر جانے کا اشارہ کیا۔ سپاہی ادبا الٹے قدم اٹھاتا باہر نکل گیا۔ سپاہی کے نکلتے ہی خواب گاہ کا دروازہ ایک بار پھر بند ہو گیا۔

”بغیر اطلاع دیئے آنے کے لیے معذرت خواہ ہیں“

”آپ کو اطلاع دے کے آنے کی ضرورت نہیں شہزادی“

ہمارے لیے دوسری ریاستوں کے شہزادوں کے پیغام آرہے ہیں۔ امید ہے آپ کو" معلوم ہوگا"۔

"ہم جانتے ہیں"

ہاتھ پیچھے باندھے آرام سے شہزادی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے سلطان نے چہرہ ایک بار پھر جھروکے سے باہر جھانکنے کو موڑ لیا۔

"ہم چاہتے ہیں ہمیں محل میں کسی عہدے پر فائز کر دیا جائے"

"کیا کہنا چاہتی ہیں آپ شہزادی کھل کر کہیے"

ہم سنجرستان کو نہیں چھوڑنا چاہتے سلطان۔ امی حضور کو ہمارا نکاح کروانا ہے تو کروا دیں" مگر ہم سنجرستان چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔ آپ ہم سے نکاح نہیں کرنا چاہتے تو کوئی بات نہیں کم سے کم ہم آپ کو دیکھ سکیں گے، سنجرستان میں رہتے ہوئے آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہوں گے،۔ ہم سنجرستان چھوڑ کر نہیں جانا چاہتے سلطان خدارا امی حضور کو سمجھائیے۔

کہتے ہوئے جہاں شہزادی سفیہ کی آنکھوں سے آنسوں جاری ہوئے وہیں سلطان مراد کے ماتھے پر شکن واضح ہوئی۔ سلطان نے اپنی مٹھیاں بھینچیں۔ سلطان کچھ کہنے ہی والے تھے کہ خواب گاہ کا دروازہ ایک بار پھر کھلا۔ اماں بی دونوں ہاتھ باندھے اندر داخل ہوئی۔

”خوش آمدید اماں بی“

”خیر و برکت کے سائے آپ پر ہمیشہ بنے رہیں سلطان“

محبت و عقیدت کے ساتھ اماں بی نے سلطان کو دعا دی۔

ہم شہزادی سفیہ کی نادانی کے لیے معذرت خواہ ہیں آپ ان کی باتوں پر دھیان نا دیجیئے“ ہم ان کو سمجھا دیں گے۔ شب بخیر“

اماں بی نے بات کو مختصر کیا شہزادی سفیہ کا ہاتھ تھاما اور جیسے آئی تھی ویسے ہی چلی گئی۔ پیچھے رہ گئے سلطان جو ابھی تک ماتھے پر شکن لائے کھڑے تھے۔

سلطان مراد کو ان کی خواب گاہ میں چھوڑ کر اگر محل کے تے خانے کا رخ کرو تو آج ایک بار پھر کوئی ہاتھ میں مشعال اٹھائے تے خانے کی ٹھنڈی راہداریوں سے گزر رہا تھا۔ آہستہ قدم مگر چال میں زرا فرق تھا۔ یہ قدموں کی چھاپ پچھلی بار کی چھاپ سے مختلف تھی۔ اس چال

میں خوف جبکہ اس میں غرور تھا۔ ہاتھ میں مشعال اٹھائے قدم قدم بڑھتا یہ وجود تے خانے کے بیچ آ کھڑا ہوا۔

اس روز جو شخص کال کوٹھری کے اندر تھا آج اس کے منہ میں کپڑا اور ہاتھوں کو باند کر کوئی سزا دی جا رہی تھی۔ لکڑی کی کرسی کے اوپر باندھے اس شخص پر مشعال کی روشنی پڑی تو معلوم ہوا وہ بے سدھ پڑا ہے۔ باہر سے آئے وجود نے پانی کی بالٹی اٹھا کے اس کے منہ پہ دے ماری۔ جس سے اس شخص کے جسم میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔ باہر سے آئے انسان نے اس کے منہ سے کپڑا نکالا۔

آنکھیں کھول کے اس نے آس پاس دیکھا۔ سامنے کھڑے وجود کو دیکھ کر اس کے چہرے پر ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"ہم آپ کو اور آپ کے سنجرستان کو دنیا کے نقشے سے مٹا دیں گے۔۔۔۔ یہ وعدہ ہے ہمارا"

لرزتے ہونٹوں کے ساتھ اس شخص نے دھمکی دی۔ جسم پر جلنے کے نشان مشعال کی روشنی میں واضح ہوئے۔ باہر سے آئے انسان نے مشعال کو الٹی طرف سے اس کے پہلے سے

جلے ہوئے تازہ گھاؤ کے اوپر رکھ کر زور دیا۔ درد بھری اک اونچی آہ اس شخص کے منہ سے نکلی اور وہ واپس اپنے حواس کھو بیٹھا۔

”دو دن بعد ہم شکار کے لیے جنگل نکلیں گے، ہم چاہتے ہیں آپ ہمارے ساتھ جائیں“

حسن کے اندر آتے ہی سلطان نے بڑے جوش سے اس کو کہا۔

”بیٹھے بٹھائے سلطان کو شکار کا خیال کیسے آ گیا“

حسن نے شوخ انداز میں تبصرہ کیا

”سلطان کو شکار کا نہیں دوست کا خیال آیا ہے“

”کتنے دوست ہیں سلطان کے“

”ایک ہی ہے اور اسی کا خیال آیا ہے“

سلطان نے قدم آگے بڑھائے اور حسن کو گلے لگایا۔

”آپ کی دوستی ہمارے لیے اعزاز ہے سلطان“

ہمیں خبر موصول ہوئی تھی آپ ہم سے خفا میں سوچا آپ کے من پسند شکار پر چلتے“
”ہیں

سلطان نے دور ہٹتے حسن کو کہا۔

”چلو سلطان کو دوست کی ناراضگی پر دھیان دینے کا وقت تو ملا“

ایک کہکا جو بادشاہ کی خواب گاہ میں گونجا۔ حسن واپس چلا گیا اور سلطان نے سیر کے لیے محل کی باغیچے کا رخ کیا۔

اگلی صبح کا سورج سنجرستان میں ڈھیروں خوشیاں بکھیرتا طلوع ہوا۔ صبح کا پہر اور بازار میں کھلتی دکانیں۔ ہر انسان اس وقت وہاں صاف ستھرائی میں مشغول تھا کہ رحمان بابا کی کپڑوں کی دکان پہ کچھ لوگوں نے دھاوا بول دیا۔۔ نہیں نہیں وہ لوگ چور نا تھے۔ رحمان بابا نے ان سے قرض لے رکھا تھا جس کی واپس ادائیگی کا وقت ہو چکا تھا مگر وہ واپس نا کر سکے تھے۔ توڑ پھوڑ کی آواز سے ساتھ والے تمام دکان دار رحمان بابا کی دکان کی اور تماشائیوں کی طرح گھورنے لگے۔ رحمان بابا کبھی ان کے آگے ہاتھ پھیلا رہے تو کبھی ان کے پیر پڑھ رہے کہ خدارا یہ ریشم بہت قیمتی ہے۔ مگر ان لوگوں پر تو جیسے رتی برابر اثر نا ہوا۔ جہاں آرا معمول کے مطابق آج پھر کچھ وقت بعد آئی تھی۔ رحمان بابا کی دکان اس کو رستے میں پڑھتی تھی۔ بشورشرابا اور بھیڑ دیکھ کر وہ اس اور بڑھی۔ زمین پر آنسوؤں سے روتے بیٹھے رحمان بابا کی آواز

نکلنا اب بند ہو گئی تھی۔ ان کے ساتھ ہی کرسی رکھے، ٹانگ پہ ٹانگ جما کر گردن تانے بیٹھا وہ انسان جو قرض وصولی کے لیے آیا تھا۔ اس انسان کی شکل دیکھ کہ جہاں آرا سمجھ گئی کہ یہاں آخر کو کیا ہو رہا ہو گا۔ جہاں آرا آگے بڑھی اور رحمان بابا کو اٹھانے لگی۔

”آیئے رحمان بابا“

یہ دیکھتے ہی وہ شخص اپنی کرسی سے تیش میں اٹھ کھڑا ہوا۔

”جہاں آرا آپا آپ اس سب میں بیچ میں مت آئیں“

اس نے بلند آواز میں جہاں آرا کی اور دیکھے کہا۔

”ہم آپ کو یہ سب کرنے سے روک نہیں رہے لیکن ادب کا دائرہ مت بھولیں شمشیر“

نا آواز بلند تھی، نا ہی تیش زدہ۔

شمشیر نے قدم اٹھایا اور جہاں آرا کے ساتھ کھڑے رحمان بابا کی اور بڑھا۔

تین روز اور بابا، میں تمہیں تین روز اور دیتا ہوں۔ اس کے بعد یا تو تمہاری دکان میری یا تمہاری جان“۔

انگلی اٹھائے نظر رحمان بابا کے وجود پہ رکھے کس نا اہلی سے اس نے کہا تھا۔ اور کہتے ہی یہ جا وہ جا۔ بازار واپس اپنی دوڑ لگانا شروع ہوا۔ آہستہ آہستہ اس میں بھیڑ ہونے لگی۔ رحمان بابا کی

دکان کے بکھرے سامان کو جہاں آرا سمیٹ رہی تھی جبکہ بابا سامنے پڑی کرسی پہ نظریں جھکائے بیٹھے تھے۔ بھیڑ ختم ہونے سے اب تک نا جہاں آرا کچھ بولی تھی نا ہی رحمان بابا کچھ کہہ سکے تھے۔ سامان کو بکھرا ہوا چھوڑ جہاں آرا نے پانی کا اک پیالہ بھر کر رحمان بابا کی اور بڑھایا۔ جس کو رحمان بابا نے نا تھاما تو اس نے ہاتھ پیچھے کر لیا

“آپ کو معلوم ہے رحمان بابا ہماری اماں کہتی ہیں پانی بڑھاپے میں جھریاں زرا کم کرنے میں مدد کرتا ہے”۔ یہ کیسی بے تکی بات تھی بھلا۔

مگر جہاں آرا نے کہنا جاری رکھا۔

“اور آپ جانتے ہیں کہ ہم نے معمول سے زیادہ کمائی کی ہے۔ ہماری خوشبو تو لوگوں نے لینا ہی بند کر دی ہے۔ بلکہ کل تو باجی نگین کہنے لگی کہ اب خوشبو کی ضرورت نہیں انھیں اور بابا وہ نوجوان جو آپ کی دکان میں کام کرتے ہیں وہ بھی آئے تھے۔ ایک شیشی لی ہے انھوں نے ہم سے کافی تعریف کر رہے تھے۔”

کسی ایک بات کا بھی جواب رحمان بابا کی طرف سے نا پا کر جہاں آرا رحمان بابا کی طرف بڑھی۔

“بابا آپ ٹھیک ہیں؟”

ناولز کلب
Club of Quality Content

سوال کرتے ہی وہ رحمان بابا کے آگے گھٹنوں کے بل جا کر بیٹھی، ہاتھ میں پکڑا گلاس زمین پر رکھ دیا۔ اپنا چہرہ اوپر کر کے رحمان بابا کی اور دیکھا ان کی آنکھیں بند تھیں۔

"رحمان بابا"

پریشان ہوتے ہوئے جہاں آرا نے اپنے ہاتھ سے رحمان بابا کا کندھا سہلایا۔ ایک بار پھر ان کا کوئی جواب نا پا کر پریشانی میں جہاں آرا رحمان بابا کے سامنے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ دونوں ہاتھوں سے بابا کے دونوں کندھے تھامے، اس میں جتنی جان تھی اس نے لگا کر بابا کو جھنجھوڑا اور یہ آخری دفع تھا۔ بابا اپنے کرسی سے جھنجھوڑنے کی وجہ سے نیچے جا گرے۔ ان کی آنکھیں بند تھی۔ جہاں آرا نے خلق پھاڑ کر رحمان بابا کو آواز لگائی۔ اور پھر سے کوئی جواب نہیں۔ اس کی آواز سن کر ساتھ والی دکان سے لوگ جھانک کر دیکھنے لگے۔ بابا کو نیچے گرا دیکھ لوگوں نے وہاں بھیڑ لگائی۔ جہاں آرا نے ایک بار پھر خلق پھاڑ کر صدا بلند کی۔

"طبیب کو بلائیے، خدارا کوئی طبیب کو بلائیے"

جہاں آرا کی آنکھوں میں آنسوں بھر آئے۔ اس کا گلا تر ہونے لگا۔ آنکھوں میں حیرانگی کی جگہ خوف نے لے لی۔ آس پاس کھڑے لوگوں میں سے ایک شخص طبیب کو بلانے بھاگا۔

Club of Quality Content

چند مردوں نے بابا کو اٹھا کے تخت پر لیٹایا۔ شمس الدین آگے بڑھ کر رحمان بابا کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہی جھٹکے سے پیچھے ہوئے۔ شاید ان کو کچھ احساس ہو چلا تھا۔

طبیب صاحب بھاگتے ہوئے رحمان بابا کی دکان کی اور آئے راستے میں کھڑے لوگوں نے ان کو تخت تک پہنچنے کا رستہ دیا۔ طبیب صاحب نے رحمان بابا کی گردن کی ایک طرف دو انگلیاں رکھ کر جیسے کچھ پرکھنا چاہا اگلے ہی لمحے انھوں نے ہاتھ رحمان بابا کی کلائی پہ رکھا اور یہ وہ وقت تھا جب وہاں کھڑے تمام لوگوں کی سانسیں اٹک گئی۔ طبیب صاحب اٹھ کھڑے ہوئے پیچھے مڑ کر ہجوم میں جہاں آرا کو تلاش کیا۔

"رحمان بابا اب ہم میں نہیں رہے"

رحمان بابا کے چاہنے والوں کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ جہاں آرا جہاں تھی وہیں رہ گئی۔ ابھی تو بابا ٹھیک تھے۔ سب کچھ گڈمڈ ہونے لگا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔

سورج سوا نیزے پر پر پھیلائے بیٹھا سنجرستان کے بازار کی اس گلی کو ٹانکنے لگا۔ چہرے پر پسینے کے قطرے نمودار ہوئے اور ہاتھ کانپنے لگے۔

"یہ--یہ--یہ کیا ہے"

بھیڑ میں کھڑے لوگوں میں سے ایک نے رحمان بابا کے وجود کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ تمام لوگوں کی توجہ بابا کی اور ہوئی۔ چہرے کے تاثرات تبدیل ہو گئے۔ دیکھنے والوں کی نظریں عجیب ہو گئی۔ بابا کے منہ سے سفید جھاگ نے نکلنے کا رستہ بنایا۔ ہاتھ برف ، ہو گئے اور گردن میں نیلا رنگ نمایا ہوا۔ طبیب صاحب نے ہڑبڑا کر رحمان بابا کا منہ کھولا سفید جھاگ کا غبار ان کے منہ سے آگ کی طرح نکلا۔ آس پاس کھڑے لوگ ایک ایک قدم پیچھے ہو گئے۔ جہاں آرا آگے بڑھی۔

”طبیب صاحب یہ زہر نہیں ہے نا“

ہاتھ کے اشارے سے چہرہ طبیب صاحب کی طرف کیے جہاں آرا نے پرامن نظروں سے دل کو تسلی بخشنے کے لیے سوال کیا۔

”یہ زہر ہی ہے“

جہاں آرا کے قدم پیچھے کو ہوئے۔ وہ گرتے گرتے بچی۔ رحمان بابا نے زہر کب پیا؟؟ وہ تو ان کے ساتھ تھی۔ وہ واپس تو گئی ہی نہیں۔ ایسا کیسے ہو گیا۔ لوگوں کی بھگدڑ مچ گئی۔ بازار بند ہونے لگا۔ رحمان بابا کو جہاں آرا کے گھر لے جایا جانے لگا۔ آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی۔ کئی لوگ دلاسے دینے لگے تو بہت سوں نے غیبتیں شروع کر دیں۔

تڑکتی بھڑکتی شعاعوں میں شہر کے لوگوں کو رحمان بابا کی موت کا غم مناتا چھوڑ کر محل کی بلند دیواروں کے اندر جھانکو تو تیز قدموں کی چھاپ سنائی دے گی۔ دونوں ہاتھ کمر پہ پیچھے کی اور باندھے تیز قدموں سے راہداریاں عبور کرتے سلطان مراد اپنے پیچھے بہت سارے سپاہیوں کے ساتھ دیوانِ خاص میں پہنچے۔ باآواز بلند دربان نے سلطان کے آنے کی اطلاع اندر بیٹھے لوگوں کو دی۔ باتیں کرتی زبانوں کو تالا لگ گیا، بیٹھے ہوئے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ سلطان مراد کے پیچھے قطار میں کچھ سپاہی اور سلطان کے ہمراہ قدم بڑھاتے حسن اندر داخل ہوئے۔ بے حد اطمینان کے ساتھ سلطان اپنے تخت پر بیٹھے۔ ہاتھ کے اشارے سے دیوانِ خاص کے بیچ و بیچ کھڑے دو افراد کو اپنی اپنی بات رکھنے کی اجازت دی

سلطان ہم نے کچھ بھی آپ کی شان کے خلاف نہیں کہا۔ ہم آپ ہی کی سلطنت میں“
.”آپ کے بارے میں غلط الفاظ کا کس طرح استعمال کر سکتے ہیں

گردن جھکائے دونوں ہاتھ آگے کو باندھے ایک شخص نے اپنی صفائی پیش کی۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

سلطان ہم قسم کھاتے ہیں ہمارے کانوں نے کچھ غلط نہیں سنا۔ ہم گزری رات بھی جب ان کے ہجرے کے باہر تعینات تھے تب بھی یہ اپنے ساتھی سپاہی کے ساتھ اسی قسم کی گفتگو میں مصروف تھے ہم نے تب کچھ نہیں کہا مگر بات اب حد سے بڑھ گئی ہے سلطان"۔

"کس قسم کی گفتگو تھی؟"

سلطان کی طرف سے آیا یہ پہلا سوال تھا۔

سلطان طغیر نگر سے آئے سپاہی اور داسیاں سلطان مراد کے بارے میں غلط افواہیں سنجرستان کے لوگوں میں پھیلا رہے ہیں۔ جن میں سر فہرست سلطان مراد کا سعادت گڑھ کے ساتھ ہاتھ ملانے کے بعد شہر سے عورتیں داسیوں کے روپ میں سعادت نگر کو تحفے میں دینے کا وعدہ ہے"۔

الفاظ تھے کہ سیسہ جو گھول کر سلطان کے کانوں میں ڈالا گیا تھا۔ سلطان نے تخت کی دونوں اور رکھے اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لی، آنکھیں لال ہو گئی اور دماغ کی رگیں اُبھر کر واضح ہوئی۔

"یہ کیا بکواس کر رہے ہو"

سلطان ارسلان طیش کے عالم میں اپنی نشست سے اٹھ کے دیوانِ خاص کے درمیان میں آئے۔

”سلطان مراد یہ سراسر میرے سپاہیوں اور داسیوں پہ لگایا گیا الزام ہے“

سلطان ارسلان نے اپنے لوگوں کی حمایت کی۔

ہمارا یقین کریں سلطان، آپ شہر سے لوگوں کو بلوا کر پوچھ کر لیں ہم اگر غلط بیانی کر رہے ہوئے تو ہمیں موت منظور ہے۔ مگر ہم سچ کہہ رہے ہیں سلطان۔ پچھلے تین دنوں سے ہم نے طغیر نگر کے لوگوں کو یہ گفتگو کرتے سنا اور شہر میں جا کر کچھ لوگوں سے معلوم بھی کیا“۔

”دیوان عام میں رعایا کو بلوایا جائے حسن“

حکم صادر کر دیا گیا۔ حسن تیز قدم اٹھاتے دیوان خاص سے باہر نکلے۔ اگلے چند لمحوں میں دیوانِ عام میں عوام موجود تھی۔ دیوانِ عام کے باہر کھڑے دربان نے با آواز بلند سلطان مراد کے آنے کی خبر دی۔ ایک بار پھر سارے دیوانِ خاص میں سانسوں کی آواز کے سوا باقی

ہر اک آواز آنا بند ہو گئی۔ سلطان مراد اپنے تخت کی اور بڑھے۔ تخت پر بیٹھنے کی بجائے انھوں نے کھڑے رہنے پہ اکتفا کیا۔ عوام کی اور مڑے۔ نظریں عوام پر گاڑھی اور سوال کیا۔

کیا ہماری عوام کو سعادت نگر کو دیے جانے والے کسی تحفے کی خبر موصول ہوئی ہے؟”۔ “

اتنی سی بات تھی اور سارا دیوانِ عام سر سر گوشیاں کرنے لگا۔ لوگوں کی آوازیں گڈمڈ ہوتی سلطان مراد کے کانوں میں پہنچنے لگیں۔

“ہمیں جواب دیں”

حکم نہیں تھا یہ سلطان مراد کی طرف سے عوام کو کی گئی درخواست تھی۔ نہایت دھیمی آواز میں۔

ایک نوجوان ایک قدم آگے برھا۔ “

سلطان سارے شہر میں یہ بات پھیل چکی ہے کہ سعادت گڑھ سے ہاتھ ملانے کے بعد “ شہر سے ان کو چند عورتیں تحفے میں پیش کی جائیں گی”۔

کہتے ہی نوجوان نے سر جھکا لیا اور واپس اپنا بڑھا ہوا قدم پیچھے کو لیا۔ سلطان کی پیشانی پر تنی ہوئی رگیں واضح ہائی۔ آنکھوں میں طوفان سا اٹھنے لگا۔

“کیا آپ سب بھی اس بات میں ان نوجوان کو سچا پاتے ہیں”

سارے دیوان عام میں ""جی سلطان "" کی آواز گونج اٹھی۔

سلطان مراد نے خون آلود آنکھوں سے سلطان ارسلان کو دیکھا۔

""یہ سب دغا ہے، یہ سب فریب ہے میرے لوگ ایسا نہیں کر سکتے""

سلطان ارسلان بھڑک پڑے۔

""یہ ہی تو ہم بھی کہہ رہے ہیں سلطان ارسلان آپ کے لوگ آپ کی اجازت کے بغیر یہ سب نہیں کر سکتے ""۔

کہتے ہی سلطان مراد نے چہرے کا رخ بدلا، عوام کی طرف متوجہ ہوئے۔

""ہم اس سب غلط فہمی کے لیے معافی چاہتے ہیں۔ یہ سب محض ایک افواہ ہے اس میں رتی برابر سچائی نہیں۔ سلطان مراد عزتوں کے سودے نہیں کرتے۔ سعادت نگر سے ہاتھ ملانا ایک سیاسی عمل ہے جو پُرامن طریقے سے انجام دیا جائے گا۔ چاندی کے سکے اور قیمتی جواہرات ان کو تحائف میں پیش کیے جائیں گے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

ایک لمحہ سانس لینے کو سلطان رکے، عوام کے تاثرات پر غور کیا۔

""آپ سب اب واپس لوٹ سکتے ہیں""

وہ ہی پر وقار انداز۔ صفائی سے پیش کی گئی اپنی بات کو عوام کے ذہن میں ٹکراتا چھوڑ سلطان مراد سلطان ارسلان کی اور مڑے۔

طغیر نگر سے آئے گئے تمام لوگوں کے ہم شکر گزار ہیں۔ سلطان ارسلان اور ان کے لوگوں کا مزید محل میں رکنا مناسب نہیں، والدہ سلطان کو آگاہ کیا جائے، طغیر نگر سے آئے لوگ آج ہی واپس روانہ ہو رہے ہیں"۔

چہرے کا رخ ایک بار پھر بدلتے ہوئے سلطان نے سامنے کی اور کیا۔

، طغیر نگر کے سپاہی جو اس افواہ کو پھیلانے میں ملوث تھے ان کو قید کر لیا جائے"

ایک ماہ کی مشقت کے بعد ان کو واپس طغیر نگر بھیج دیا جائے گا۔

اگلے لمحے سلطان کے سنائے گئے احکام کے اوپر عمل ہونا شروع ہوا۔

معاملے کو حل کر کے سلطان مراد اللہ خان اپنے دوست حسن اور ایک کثیر تعداد میں سپاہیوں کے ساتھ شکار کے لیے روانہ ہوئے۔

اس بیچ سنجرستان میں سورج چار بار طلوع ہوا۔ نئی کرنوں کے ساتھ شہر کے لوگ اپنی روز مرہ کی زندگی میں ایک بار پھر سے گم ہا گئے۔ اسی شہر کے بیچ و بیچ اتر کی اس دکان میں وہ چمبیلی

کے پھولوں کا رس نکالنے میں مصروف تھی جب کسی نے آکر لکڑی کا بنا دکان کا دروازے بجایا۔ جہاں آرا نے چہرا اوپر کیا۔ سورج زور و شور سے اوپر چمک رہا تھا۔ جہاں آرا کی دروازے کی طرف آنکھیں اٹھانے کی دیر تھی کہ دروازے میں اس کو چہرہ کپڑے سے ڈھکا ہوا اک شخص نظر آیا۔ وہ نظر جھکا کے واپس کام میں مشغول ہو گئی۔ یقیناً وہ اس کو اس کی شہد رنگ آنکھوں سے ہمیشہ کی طرح پہچان چکی تھی۔

"محترمہ"

ایک آواز اور جہاں آرا کے کام کرتے ہاتھ رک گئے۔ ہوائیں آہستہ ہو گئی اور وقت تھم گیا۔

"ہم رحمان بابا کی دکان گئے تھے وہ بند ہے، کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ آج آئیں گے یا نہیں؟"۔

جہاں آرا کے رکے ہاتھ ایک بار پھر سے کام کرنے لگے۔ وہ انسان آج رحمان بابا کی موت کے تین دن بعد آیا تھا اور وہ بھی ان کی موت سے لا علم۔

"رحمان بابا کا چار روز قبل انتقال ہو گیا"

مصروف انداز میں بنا کسی تاثر کے اس نے مختصر سا جواب دیا۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

معاف کیجیے گا محترمہ شاید آپ کو سننے میں غلطی ہوئی ہے، ہم نے رحمان بابا کا دریافت“ کیا ہے”۔

،جناب ہم بھی آپ کر حمان بابا کا ہی بتا رہے ہیں جن کی دکان میں آپ کام کرتے تھے“ تین دن قبل انتقال ہو گیا ان کا”۔ وہ بنا کسی بدتہذیبی سے بولی تھی۔

”یا اللہ! اللہ پاک ان کی مغفرت فرمائے“

افسوس ناک سی اک سانس خارج کر کے وہ جانے کے لیے واپس مڑا۔ جہاں آرا نے سانس اندر کی اور کھینچی۔ کام کرتے ہاتھ رک گئے۔ کہ وہ واپس جہاں آرا کی طرف پلٹا۔

کیا آپ مجھے رحمان بابا کے گھر کا پتا بتا سکتی ہیں، میں ان کے گھر والوں سے تعزیت کرنا“ چاہتا ہوں”۔

جہاں آرا نے رکا سانس بحال کیا

”کچھ وقت انتظار کریے ابھی ہم گھر کے لیے نکلیں گے تو آپ کو ساتھ لے جائیں گے“

چہرے پہ کپڑا باندھے شخص نے گردن کو ہاں میں ہلایا اور وہیں کھڑا ہو گیا۔ کچھ لمحے بیتے۔ وہ گاہے بگاہے جہاں آرا کے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ پھرتی سے اپنا کام کر رہی تھی۔ پھولوں سے نکلا ہوا رس اس نے سامنے پڑی شیشیوں میں ڈالا اب وہ ایک ایک کر کے ان پر ڈھکن لگا

رہی تھی۔ تمام شیشیاں بند کر کے اس نے ایک قطار میں تھوڑے وقفے پر رکھنا شروع کیں۔ کام ختم کر کے وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔ اس کے لباس پہ جگہ جگہ لگی مٹی کو سامنے کھڑے شخص نے گھور کر دیکھا تھا۔

کیسی لڑکی ہے، خود کی اتنی عزت کرتی ہے کہ محل واسیوں کی طرح خود کو مخاطب کرتی" ہے، سپاہیوں سے بھاگے ہوئے کی جان بچا لیتی ہ ایک دن آپ سے بات کرتی ہے اور اگلی دفع سامنے کھڑے انسان کو آنکھ اٹھا کر دیکھتی تک نہیں؟"۔

جہاں آرا نے دونوں ہاتھوں سے اپنا لباس جھاڑا، کچھ فاصلے پر پڑے گھڑے سے گلاس کی مدد سے پانی نکال کر ہاتھ دھوئے، دیوار پہ لٹکی پوٹلی اٹھا کر دکان کے دروازے میں پہنچی ہی تھی کہ پاؤں کے نیچے کچھ کنکریاں آنے کی وجہ سے اس کے قدم ڈگمگا گئے۔ چہرے پہ رومال کیے شخص نے آگے بڑھ کر اس کو کلائی سے تھاما

"سمنبھل کر"

یہ جملہ اس نوجوان کے منہ س نکلا ہی تھا کہ جہاں آرا نے اپنی کلائی آزاد کروائی۔ دکان کا دروازے بند کیا۔

"چلیے"

ساتھ ہی نوجوان کو چلنے کا اشارہ کیا۔ ‘‘انسان کم سے کم شکریہ ادا کر دیتا ہے’’۔ یہ بات نوجوان صرف سوچ ہی سکا تھا۔

سنجرستان سے نکلے طغیر نگر کے قافلے میں سب سے آگے سلطان ارسلان کا گھوڑا دوڑ رہا تھا۔ آنکھوں میں غصہ اور دل میں سنجرستان کے لیے ڈھیر ساری نفرت لیے وہ واپسی کی راہ پر چل رہے تھے۔ طغیر نگر کے سلطان اور ان کے ساتھ آئے تمام لوگوں کو صرف اور صرف والدہ سلطان کی خاطر بخش دیا گیا تھا۔ ان کی غداری کا اعلان سارے سنجرستان میں ہو چلا تھا۔ والدہ سلطان تک ان کو خدا حافظ کرنے نا آئی۔ سلطان ارسلان نے میدان میں دوڑتے اپنے گھوڑے کی لگام کھینچی۔ دھول مٹی اٹھی اور گھوڑا رک گیا۔ سلطان کے گھوڑے کے رکتے ہی پیچھے چلتے تمام لوگوں نے اپنے گھوڑوں کی لگامیں کھینچ دیں۔ عورتوں کی بگیاں روک دی گئی۔ سلطان نے اپنے گھوڑے کو موڑا اور چہرہ اٹھا کے اوپر کو دیکھا۔

یہاں سنجرستان سے اتنے فاصلے پر آنے کے باوجود بھی سنجرستان کے ٹھاٹھ سے کھڑے محل کے روشن مینار واضح دکھائی دے رہے تھے۔ ایک نظر ان پر ڈال کر سلطان ارسلان نے اپنے قافلے سے گفتگو شروع کی۔

”ہم سنجرستان کے ساتھ دشمنی کا اعلان کرتے ہیں“

اس بات کو سنتے ہی جہاں کچھ لوگوں نے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنا شروع کیا وہیں بھی میں بیٹھی سلطانہ نے دونوں ہاتھ حیرانی اور پریشانی کے ملے جلے عالم میں اپنے ہونٹوں پر رکھ لیے۔

”ہم آج یہاں سے نکالے گئے ہیں اور یہ بے عزتی ہم مرتے دم تک نہیں بھولیں گے“

بلند آواز میں سلطان قافلے سے مخاطب تھے۔

”ہم واپس آئیں گے سنجرستان کو فتح کرنے“

غضب کے عالم میں نکلتے سلطان ارسلان کے الفاظ قافلے والوں کے دماغوں میں گھر کرنے لگے۔

سنجرستان پر طغیر نگر کا جھنڈا لہرایا جائے گا اور یہ کام ہم جلد یقینی بنائیں گے۔“

ہونٹوں پہ سجائی ذو معنی مسکراہٹ لیے طغیر نگر واسی ایک بار پھر اپنے منزل پر رواں تھے مگر اب کی بار سفر اک مقصد سے شروع ہوا تھا۔

بازار سے نکل کر نوجوان نے جہاں آرا کے پیچھے پیچھے چند گلیاں عبور کی۔ اگلی گلی جو اس وقت نوجوان کی نظر میں آئی وہ بقیہ گلیوں کے مقابلے میں زرا تنگ تھی۔ عبور ہوئی گلیوں میں درخت اور کچھ جھاڑ پائے جاتے تھے مگر اس گلی کی دونوں اطراف میں کھلے صحن والے کچے مکان تھے۔ نوجوان نے سارا رستہ خاموشی سے جہاں آرا کا پیچھا کیا۔ کہ ایک گھر کے آگے اس کے قدم رک گئے۔ یہ گھر باقی گھروں کے مقابلے میں مزید چھوٹا تھا۔ غالباً یہ رحمان بابا کا گھر تھا۔

جہاں آرا نے دروازے پہ رک کر اونچی آواز میں پکارا

"اماں"

اندر سے کوئی آواز نہ پا کر جہاں آرا نے اپنی پوٹلی دروازے میں ہی چھوڑی اور بھاگتی ہوئی اندر بڑھی۔ نوجوان کو اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار واضح دکھائی دیے تھے مگر وہ اندر نا بڑھا۔

اماں اماں" کے لفظ سے آوازیں لگاتی جہاں آرا گھر کے اندر گئی۔ بڑھی ہوئی سانس کو" سامنے مصلح بچھائے اماں کو دیکھ کے خارج کیا۔ یعنی اماں نماز ادا کر رہی تھیں۔ وہ واپس باہر کو آئی۔

"سب ٹھیک ہے"

جہاں آرا کو باہر آتا دیکھ نوجوان نے سوال کیا۔

"جی۔۔۔ اندر آجائیے"

نوجوان چھوٹے قدم اٹھاتا جہاں آرا کے پیچھے اندر بڑھا۔

چھوٹے سے صحن میں لگا چمبیلی کا جھاڑ۔ اس کی چھاؤں میں رکھے دو گھڑے۔ تھوڑے فاصلے پہ پڑا احمام۔ ایک کمرہ اس کے سامنے بچھے دو تخت، چند پتھروں سے بنی اک چھوٹی دیوار جس کے بیچ میں مٹی کا بنا چولہا اور پاس پڑے چند برتن۔ نوجوان نے چاروں طرف ایک تفصیلی نگاہ دوڑائی جیسے ہر چیز حفظ کر رہا ہو۔ جہاں آرا نے اس کو ہاتھ سے تخت پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

نوجوان ابھی بیٹھا ہی تھا کہ اندر سے اک ادھیڑ عمر خاتون باہر کی اور آئیں۔ نوجوان واپس کھڑا ہو گیا۔ خاتون نے نوجوان کو دیکھ کر عام مسکراہٹ سے اس کا استقبال کیا۔

"بیٹھو بیٹھو بچے"

بول کر خاتون سامنے والے تخت پر بیٹھیں ان کے ساتھ ہی جہاں آرا بھی۔

"اماں یہ جناب۔۔۔"

جہاں آرا نوجوان کا تعارف کرواتے رکی۔ وہ کیا ہی تعارف کرواتی کہ یہ کون جناب ہیں؟ اس کا نام تک تو جہاں آرا کو علم نا تھا۔ نا اس کا پتا معلوم تھا نا گھر بار۔

"معاز"

نوجوان نے جہاں آرا کے منہ سے ادا ہوئے جملے کو پورا کرنا چاہا۔

"جی اماں یہ جناب معاز ہیں۔ رحمان بابا کی دکان پہ کام کرتے تھے"

"اچھا اچھا۔ کیسے ہو بچے"

اور معاز جو اس ایک لمحہ میں واللہ عالم کیا سوچ رہا تھا۔ اگلے ہی لمحے واپس حواسوں میں آیا۔

میں ٹھیک ہوں اماں، بہت افسوس ہوا رحمان بابا کا۔ میں شہر سے باہر تھا آج ہی معلوم پڑا" ہے"۔

ناول کلب
Clubb of Quality Content!

"اللہ کی مرضی بچے"

اماں رحمان بابا نے مجھے اپنے بچوں کی طرح محبت دی، اگر آپکو کچھ بھی ضرورت ہو تو" مجھے ضرور یاد کریے گا

"اللہ پاک آپ کو صحت و تندرستی عطا کرے، بہت شکریہ۔"

"آپ اکیلی رہتی ہیں یہاں ؟"

اس نے فکر مندی سے سوال کیا

"نہیں ! یہ میری بیٹی ہے جہاں آرا۔ اکیلی نہیں رہتی"

معاز نے نظریں ترچھی کر کے جہاں آرا کو دیکھا۔ اس سب گفتگو میں اس نے کسی قسم کا کوئی حصہ نا لیا تھا۔

کچھ وقت بات چیت کے بعد معاز کھڑا ہوا اور جانے کے لیے اجازت چاہی۔

جہاں آرا اس کو دروازے تک چھوڑنے اس کے ہمراہ قدم اٹھانے لگی۔

"اچھا تو آپ رحمان بابا کی بیٹی ہیں"

"نہیں ! وہ دادا تھے ہمارے"

معاز دروازے کی اوٹ میں کھڑے ہو کر واپس مڑا۔

"اگر آپ کو مناسب لگے تو گلی کے کنارے تک ساتھ چلیں گی ؟"

"کیوں آپ کو ڈر لگتا ہے ؟"

سینے پہ ہاتھ باندھے جہاں آرا نے سوال کیا

"ہمیں راستہ یاد نہیں رہا"

"اماں ہم آتے ہیں واپس"

اماں کو آواز دے کر جہاں آرا نے معاز کے ہمراہ قدم اٹھائے۔

"میں نے آپ کو کبھی رحمان بابا کی دکان پر نہیں دیکھا"

"ہم کبھی وہاں گئے ہی نہیں"

یہ کہتے ہوئے اس کی آواز میں تھوڑی تبدیلی آئی تھی۔

داداجان کو کبھی ہم سے اتنا لگاؤ تھا ہی نہیں۔ ہم نے شروع دن سے ان سے ان کی بے رخی کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن انھوں نے کبھی ہمیں بتایا نہیں۔ وہ ہم سے گفتگو تو دور ہمیں دیکھتے تک نہیں تھے۔

"اور آپ؟"

وہ اس سے اس کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

ہمیں ہمیشہ ان سے لگاؤ رہا ہے ہم نے ہمیشہ ان سے گفتگو کے بہانے ڈھونڈے ہیں لیکن" آج تک انھوں نے ہمارے سلام کے علاوہ کبھی ہماری کسی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"..آپ کے والد"

"ان کا انتقال کافی عرصہ پہلے ہو چکا ہے"

”ہم معافی چاہتے ہیں“

ان کے جانے سے اماں کے بال سفید ہو گئے، وہ وقت سے پہلے بڑھاپے میں چلی گئی، اب تو چیزیں رکھ کر بھولنے لگی ہیں۔ کبھی کبھی تو چمبیلی کے پھولوں کو گلاب کہنے لگتی ہیں۔ ابا نہیں ملے کبھی ہمیں، دادا نے کبھی ہماری طرف دیکھا نہیں، اماں سے بہت محبت ہے ہمیں۔ ان کو اور ان کی محبت کو نہیں کھو سکتے۔

کہتے ہوئے جہاں آرا کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر گرا۔ اب کے جہاں آرا کی آواز زرا دھیمی ہوئی تھی۔ وہ معاز سے اپنے دل کی بات کہہ رہی تھی۔ معاز کے چلتے قدم تھم گئے۔ اس کو دیکھ کر جہاں آرا بھی رکی۔ وہ معاز کی بائیں طرف چل رہی تھی۔ معاز نے چہرہ بائیں جانب گھمایا۔ جہاں آرا نے نظریں جھکا لیں۔ بے شک وہ آنسوں چھپا رہی تھی۔

”آپ محبتوں کے لائق ہیں جہاں“

اس نے جہاں آرا کا صرف جہاں کہا۔

بادل، چاند اور تارے آپ کے آنسوؤں پر نالاں ہیں۔ ان کی چمک میں یہ موتی چمکیں تو انھیں اچھا نہیں لگے گا۔ آپ پھول ہیں اور پھول پانی نہیں دیتے۔ آپ خوشبو پھیلایا کریں۔ چمبیلی کی خوشبو جس کی سنجرستان کو خاصی تعداد میں ضرورت ہے“۔

ناول کلب
Club of Quality Content

سنجرستان میں سورج ڈوب چکا تھا، شام ڈھل گئی آسمان پہ چاند اپنی چاندنی پھیلائے سنجرستان کی چھوٹی سی گلی میں نکلا تانکا جھانکی کرنے لگا۔ ہوائیں آہستہ ہو گئیں۔ جہاں آرا کے آنسوں تھم گئے۔ اس نے گردن اٹھا کر معاز کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ جہاں آرا کے گردن اٹھا کر دیکھنے سے معاز کو اندازہ ہوا وہ اس سے قد میں کافی چھوٹی تھی۔ اس کی آنکھیں سیاہ تھیں۔ چمکتی ہوئی سیاہ آنکھیں۔ سانولے رنگ پہ گلابی ہونٹ ، کھڑی ناک اور لمبی پلکیں۔ بلاشبہ وہ بنا بنایا پھول تھی جو خوشبو بکھیر سکے۔ ایسی خوشبو جس کی سنجرستان کو ضرورت تھی۔ کہیں دور لگے چمبیلی کے جھاڑ نے رات کے اس پہر اپنی آنکھیں کھولی۔ ہوا کا ایک تیز جھونکا اس کی تازہ خوشبو لیے ان کے عقب میں رکا انھیں گھورنے لگا۔

(جاری ہے)

جہاں آرا کا حصہ دوم انشااللہ جولائی کے شروع میں شائع کر دیا جائے گا تب تک کے لیے دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ نگہبان۔

جہاں آرا کی لکھاری

نایاب حسن

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔ تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842